

مِصْبَاحُ الْحَاجِّجِہ

شَرَحُ ارْدُو

مَشْکَلَاتِ اَزْمَانِہِ

مَسْتَعَبِ اَزَافَات

حَضْرَتِ مولانا رَاسِیَت علی صابِیح پوری

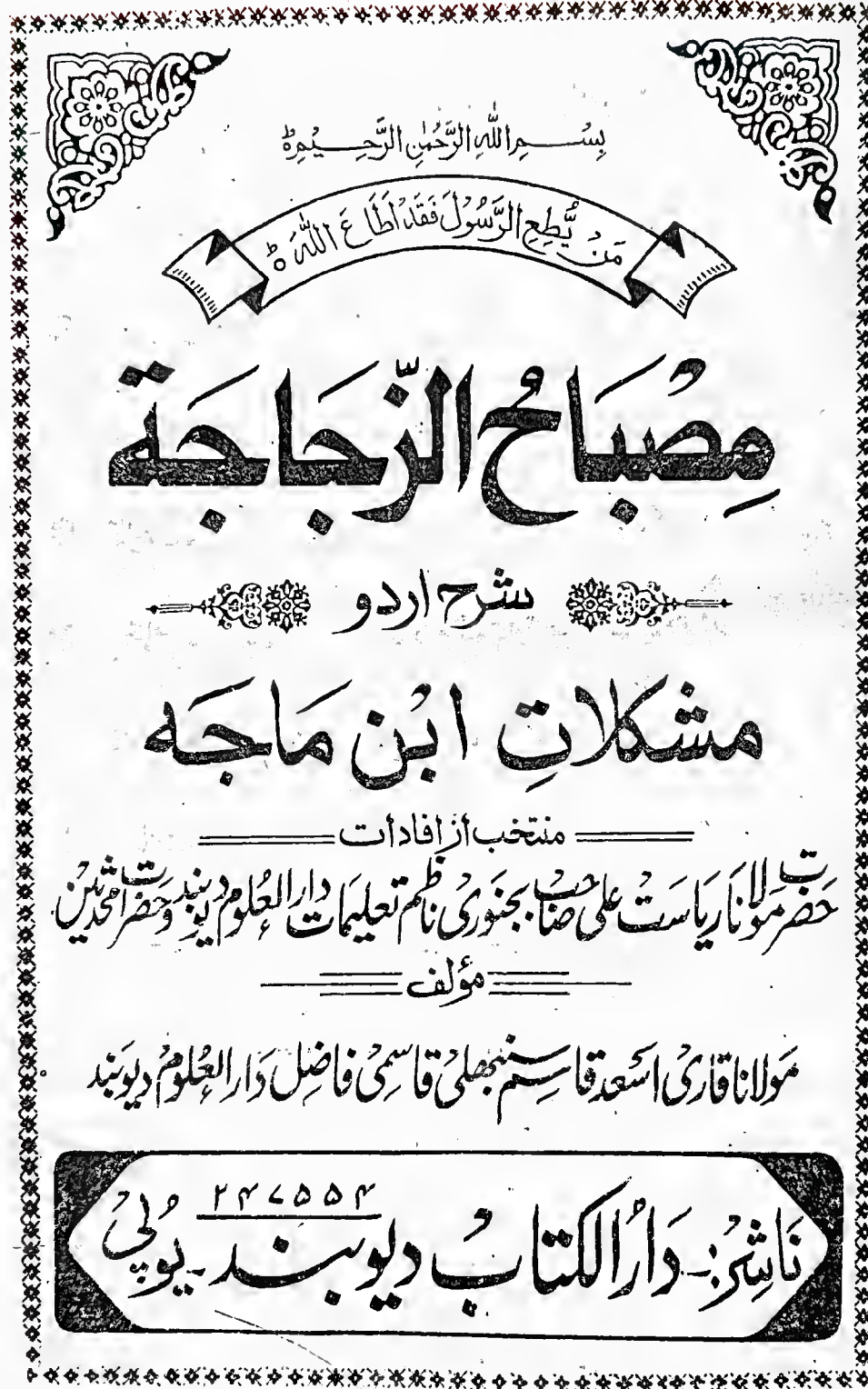
سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند و حضرت انجمن

مؤلف

مولانا قاری محمد سعید قاسم سنہ ۱۳۸۱ھ

فاضل دارالعلوم دیوبند

دارالکتاب دیوبند



کتاب کے جملہ حقوق بحق دارالکتاب محفوظ ہیں

نام کتاب _____ مصباح الزجاجة شرح اردو مشکلات ابن ماجہ

تعداد صفحات _____ ۱۶۸

افادات _____ حضرت مولانا ریاست علی رضا بجنوری ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند

تالیف _____ مولانا قاری اسعد قاسم سنبھلی قاسمی فاضل دارالعلوم دیوبند

باہتمام _____ واصف حسین منیجر دارالکتاب دیوبند

ناشر _____ دارالکتاب دیوبند

کتابت _____ اسرار احمد قاسمی

طباعت _____ ایس۔ کے آفسیٹ پریس دہلی

سن اشاعت _____ ۱۹۹۰ء

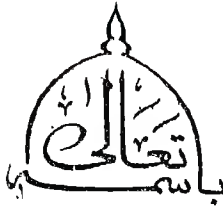
پہلا ایڈیشن _____ گیارہ سو

قیمت _____

”انتساب“

اپنے علمی محسن، شفیق استاذ اور
ہندوستان کے مایہ ناز ادیب حضرت
مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ
کے نام جن کے درس ابن ماجہ شریف
میں مستفید ہو کر احقر اس خدمت گرامی
کے لائق ہوا۔

اسعد بنجلی



مقدمہ

سال گذشتہ جب راقم سطور از ہر ایشیا جامعہ قاسمیہ دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کی تکمیل کر رہا تھا تو دوران مطالعہ شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ سنن ابن ماجہ جو اپنے زبردست مقدمہ اور منفرد آغاز و بیان کے لحاظ سے اپنا ایک ممتاز مقام رکھتی ہے ابھی تک مفصل و مبسوط نیز تشفی بخش شرح سے محروم اور حضرات اکابر رحمہم اللہ کی بے التفاتی کی شاکی ہے اور دس سے زائد مبسوط و مختصر شروحات سے مزین یہ سنن زمانے کی علمی کوتاہیوں اور ہم ناپاہلوں کی لاپرواہیوں کا رونا رو رہی ہے کیونکہ ہماری ہی بے التفاتی و ناقدری کی وجہ سے اس کی اکثر شروحات کیما ب و نایاب اور تاریخ کی زینت بن کر رہ گئی ہیں اور اتنی عظیم کتاب کی صرف ایک شرح ہی دستیاب ہے جو اپنے بہت سے خصائص و محاسن کے باوجود نہ تو نصاب و مقدمہ کو حاوی ہے اور نہ ہی سیر حاصل کلام کی متحمل ہے۔

اسی پس منظر کے تحت علم حدیث میں فطری دلچسپی اور تحریر و ادب میں ارباب دارالعلوم کی حوصلہ افزائی سے راقم سطور کے دل میں یہ خواہش انگڑائی لینے لگی کہ اگر فراغت کے بعد میں ابن ماجہ پر کام کا آغاز کروں اور ایک عمدہ مفصل و مبسوط نیز قابل قدر شرح کو مرتب کر کے شروحات دورہ حدیث اور علمی حلقہ کی خدمت میں پیش کر دوں تو یہ بات جہاں میرے لئے باعث فخر اور علمی ترقیات کا ضامن ہوگی وہیں توشہ آخرت بھی۔

لیکن شرح کا نقشہ و اصول مرتب کرنے کے بعد معانی یہ خیال پیدا ہوا کہ شرح کی ترتیب و تالیف ایک دیر طلب اور دشوار کن مرحلہ ہے جس کیلئے طویل عرصہ درکار ہے جب کہ ابن ماجہ کے سلسلہ میں طلباء حدیث کو فوری کسی حل کی شدید ضرورت ہے اس لئے فی الحال مکمل شرح کے

بجائے نوٹ کی شکل میں صرف مشکلات کی اردو شرح لکھی جائے جو مکمل نصاب کو جاوی ہو۔ تو یہ حالات کے تقاضے کے عین مطابق اور طلباء حدیث کیلئے نہایت آسان و مفید بھی ہوگی۔

چنانچہ ہمت کرتے ہوئے سب سے پہلے دارالعلوم کے پندرہ سالہ امتحانی سوالات جمع کئے گئے جن کے حصول کیلئے غیر معمولی دھڑ دھوپ کرنی پڑی اس کے بعد اپنے علمی محسن اور شفیع اساتذہ کے سامنے پوری صورت حال رکھی اور اپنے عزم کا بھی بلا تردد و تذبذب اظہار کر دیا۔ حضرات موصوف نے نہ صرف یہ کہ ہمت افزائی بلکہ اس حل کا نقشہ و خاکہ سمجھایا اور نہایت قیمتی مشوروں سے نوازا۔ چنانچہ اسی انداز پر فوراً کام کا آغاز کر دیا گیا اور رمضان کے پورے مہینے اسی کی تالیف و ترتیب میں منہمک رہا۔

عید الفطر کے بعد جب راقم سطور کو بغرض تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ جانا ہوا تو وہاں ندوہ کی عظیم لائبریری سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا اور کچھ مجمل احادیث خال محترم حضرت مولانا زکریا صاحب قاسمی مدظلہ (محدث ندوۃ العلماء) سے حل کیں اور بعض پیچیدہ و مشکل احادیث میں دوسرے خال محترم مفسر و محدث حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی (مدیر الفرقان لکھنؤ) سے مدد لی گئی اور موصوف ہی کے قیمتی و پر علم فرمودات کی روشنی میں ان احادیث کی شرح لکھی۔ عید الاضحیٰ کے بعد مخدومی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ادام اللہ علیہا کے مشورہ اور حکم کے بموجب جب دوبارہ دارالعلوم ہی میں تعلیمی مرا حل طے کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اور ایک بار پھر بحیثیت طالب علم دارالعلوم دیوبند میں حاضری ہوئی تو یہاں پہنچ کر دارالعلوم کی عظیم الشان لائبریری سے استفادہ کا وہ موقع میسر آ گیا جس کا میں بے حد متمنی تھا۔

چنانچہ ماہ محرم الحرام سے انتہائی توجہ، اہتمام، محنت و لگن، دل چسپی و دل جمعی کے ساتھ اس حل کی تکمیل کی جانب تیزی سے قدم بڑھاتا رہا اور آٹھ، نو مہینے کی مسلسل عرق ریزی کے بعد ۲۲ جمادی الاولیٰ بوقت بعد نماز جمعہ اس حل کی تالیف و ترتیب سے فارغ ہوا۔

مشکلات کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے میں نے حضرت مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ استاذ حدیث و ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کے اسباق کو بنیاد بنایا ہے جو قلمبند ہوئے راقم سطور کے پاس موجود تھے۔

دوران تالیف جن احادیث کے بارے میں شروحات سے کچھ دستیاب نہ ہو سکا تو ان کو حضرت الاستاذ کی خدمت میں جا کر حل کیا گیا اور آپ ہی کے مطالعہ و فہم کی روشنی میں ان احادیث

کی تشریح کی گئی ہے اور جو احادیث کچھ زیادہ پیچیدہ تھیں تو ان کیلئے حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ (محدث کبیر دارالعلوم دیوبند) کی طرف رجوع کیا اور آپ کے قیمتی فرمودات سے بروقت بہت مدد ملی، جبکہ آخر میں اخی المعظم استاذی المکرم حضرت مولانا عمران ذاکر صاحب قاسمی سنبھلی کی علمی شخصیت سے بھی خصوصی استفادہ کا موقع ملا۔

اس شرح کی ترتیب و تالیف میں جن امور کا خصوصاً لحاظ رکھا گیا ہے وہ کچھ اس طرح ہیں: سالانہ امتحان کی پیچیدگیوں کو دور کر کے انھیں از سر نو سہل انداز میں مرتب کیا گیا۔ جہاں ضرورت سمجھی وہاں اپنی جانب سے سوالات قائم کئے گئے اور سہرہر چہر میں عموماً تین تین سوالات رکھ کر ان کے جوابات بالترتیب قلمبند کئے گئے۔ حدیث باب کی مکمل تفقیش و تحقیق کی گئی اور سہرہر شرح سے اس کا عطر لے لیا گیا۔ زیر بحث حدیث کو اس طرح حل کیا گیا کہ باب کے ذیل میں آنے والی احادیث خود بخود حل ہو جائیں۔

حدیث باب کا ترجمہ سادہ اور سلیس زبان میں کیا گیا نیز سیاق و سباق کے تقاضوں کے پیش نظر محذوفات کو اندرون برکیٹ اجاگر کر دیا گیا۔

جوابات میں حتی الامکان یہ کوشش رہی کہ جو جواب دیا جائے وہ اکابر رحمہم اللہ کی زبان میں ہو اسی بنا پر شرح میں اقتباسات کی بہت کثرت ہے۔

دوران جواب جو عبارت نقل کی گئی ہے اور جن جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے حاشیہ میں ان سب کا حوالہ قلمبند کر دیا ہے نیز تفصیل طلب حضرات کیلئے زیر بحث مسئلہ میں ان عمدہ کتب کی نشاندہی کر دی گئی ہے جو اس موضوع پر اصولی مأخذ کا درجہ رکھتی ہیں، ان حواشی کی وجہ سے حوالہ کا یہ سلسلہ بعض جگہ بہت طویل ہو گیا ہے جب کہ آخر میں قدرے تخفیف کر دی گئی ہے۔

جہاں ممتحن نے کسی موضوع پر مضمون کی فرمائش کی ہے وہاں اپنی مصروفیت کی بنا پر شہرہر و معروف ادباء اور صاحب قلم مصنفین کے مضامین کو ان کی سلاست جامعیت اور انحصار کے پیش نظر بعینہ نقل کر دیا ہے اور جہاں حذف و ترمیم ضروری سمجھی وہاں حاشیہ میں اس کی صراحت کر دی ہے جب کہ دوسری جگہوں پر راقم سطور نے مضامین خود لکھے ہیں اور ان تمام مضامین میں یہی بات پیش نظر رہی ہے کہ طلباء کو صرف مضمون لکھنے کا انداز بتا دیا

جائے اور دلائل سے دوران مضمون قطعاً چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے اس کے بعد مضمون کے اختتام پر زیر بحث مسئلہ کے دلائل بھی بالترتیب درج کر دیئے ہیں تاکہ طلباء اس مضمون کو درج ذیل دلائل کی مدد سے ایک مبسوط مضمون کی شکل دے سکیں۔

ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے اس حل کی ترتیب و تالیف میں نہایت محنت و مشقت اور غیر معمولی کوشش کرنی پڑی ہے اور سو سے متجاوز کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی اس کی تکمیل ممکن ہو سکی ہے جو آخر میں ”فہرست مأخذ“ کے عنوان سے نقل کر دی گئی ہیں اس محنت کا اندازہ وہی اصحاب لگا سکتے ہیں جو خود اس انداز کے کام کو انجام دے چکے ہوں۔ اگر شرکاء دورہ حدیث نے اس ٹوٹی پھوٹی محنت کو قبول کر لیا تو راقم سطور عقیب ایک شرح پیش کرنے کی جسارت کرے گا جو اپنے انداز بیان، دلائل و براہین اور زور اسلوب کے لحاظ سے ایک ممتاز شرح ہوگی اللہ تعالیٰ اس کی تالیف کی توفیق عطا فرمائے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس مرحلہ پر میں اپنے محترم استاذ حضرت مولانا قاری عبدالرؤف صاحب بلند شہری را استاذ دارالعلوم دیوبند کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اپنے درسی اوقات سے مجھے بڑی حد تک فراغت دیدی اور میں دل جمعی کے ساتھ اس کی تکمیل کرتا رہا اور ساتھ ہی عزیز محترم مفتی ارشد صاحب مظفرنگری کا بھی میں نہایت ممنون ہوں جنہوں نے کچھ غلطیوں کی نشاندہی کی اور بروقت ان کی اصلاح کر دی گئی۔

آخر میں اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ وہ لغزشوں اور زلتوں پر متنبہ فرما کر شکریہ کا موقع دیں اور جن حضرات کو اس تحریر سے کوئی فائدہ پہونچے وہ احقر کیلئے جیاً خدمت دین کی توفیق و خاتمہ بالا یمان اور میتاً مغفرت و علو درجات کی دعا کر دیا کریں۔

اسعد قاسم شہبلی القاسمی
فاضل دارالعلوم دیوبند

شرح اردو ابن ماجہ

۸

مصباح الزجاء

راے گرامی حضرت مولانا ریاست علی صاحب بخنوری ناظم تعلیمات و استاذ احداث العلوم دیوبند

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى . اما بعد !
دارالعلوم دیوبند خداوند قدوس کے فضل و کرم سے وہ سدا بہار گلشن ہے جس کے دامن میں ہمیشہ بہاروں کے قافلے فروکش ہوتے رہتے ہیں اس کے صحن میں ہر سال نئے شگلونے کھلتے ہیں۔ اس کے جلو میں پروردگار عالم نے برکت و سعادت کا وہ ماحول پیدا کیا ہے کہ طلبہ عزیز کی خواہید صلاحیتیں نشا ط زندگی کی جولان گاہ بن جاتی ہیں اور وہ اپنے روزمرہ کے اسباق کیساتھ ساتھ ایسی قابل ذکر خدمات انجام دیتے ہیں کہ بے ساختہ داد تحسین دینے کو جی چاہتا ہے مضمون نگاری اور خطابت کی صلاحیت تو مادر علمی کے پاکیزہ ماحول میں اس طرح پرورش پاتی ہے جیسے کوئی صحت مند اور طاقت ور پودا۔ معتدل آب و ہوا۔ اور زرخیز زمین میں فضاؤں سے اپنا خراج وصول کر رہا ہو۔ ایسی ہی ایک قابل تحسین ایک علمی کاوش عزیز محترم مولانا اسعد قاسم سنبھلی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ عزیز موصوف نے کافی محنت و مطالعہ کے بعد مشکلات ابن ماجہ کی شرح لکھی ہے۔ اور دارالعلوم دیوبند کے امتحانات کے پرچوں سے اور کہیں کہیں اپنے ذوق سے پہلے سوالات قائم کئے ہیں پھر ان کا قابل اعتماد اور تفسیری بخش جواب قلمبند کیا ہے۔

عزیز موصوف نے چونکہ ابن ماجہ لاقم الحروف سے پڑھی ہے اسلئے انھوں نے مسودہ کے کچھ اوراق دکھائے، مطالعہ کے دوران مجھے محسوس ہوا کہ ان کی محنت لائق تحسین ہے اور وہ اس کتاب کی مفصل شرح لکھنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔
دعا ہے پروردگار عالم عزیز موصوف کو بیش از بیش اعمال صالحہ کی توفیق و ارزانی کرے۔ اور زبان و قلم کے ذریعہ ان کو دین مبین کی خدمت کی سہولتیں فراہم فرمائے۔ آمین
والحمد لله اولاً و آخراً

ریاست علی بخنوری غفرلہ
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند
رحمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سوال ۱ (الف) حدیث کی تعریف کیجئے۔

(ب)۔ کیا عہد رسالت میں کتابت حدیث کا آغاز ہو گیا تھا اگر جواب اثبات میں ہے تو عہد رسالت و عہد صحابہ کے مدون تحریری دوشے تحریر کیجئے۔

(ج)۔ کتب حدیث میں صحاح ستہ کی ترتیب کیا ہے؟

(د)۔ ابن ماجہ شریف کی کل کتنی حدیثوں پر کلام کیا گیا ہے؟

جواب سوال ۱ (الف)۔ حدیث کی تعریف کرتے ہوئے علامہ طاہر بن صالح الجزار می فرماتے ہیں:-

”اقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم وافعاله واحواله“

مذکورہ تعریف کو حافظ سخاویؒ نے مزید تشریح کیساتھ یوں نقل فرمایا ہے:-

”والحدیث لغة ضد القديم واصطلاحاً ما اضيف إلى النبي صلى الله عليه وسلم قولاً له او فعلاً او تقريراً او صفةً حتى الحركات والسكنات في اليقظة والنمائم“
لیکن حافظ سخاویؒ کی یہ تعریف احادیث موقوفہ و مقطوعہ کو جامع نہیں ہے اسلئے مولانا تقی صاحب عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں صحیح تعریف اس طرح ہونی چاہیئے:-

”هو معرفة ما اضيف إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم او إلى صحابي او إلى من دونه ممن يقتدى بهم في الدين قولاً او فعلاً او صفةً او تقريراً“

(ب)۔ کتابت حدیث کا آغاز عہد رسالت ہی میں ہو گیا تھا، ذیل میں عہد رسالت و صحابہ کے چند تحریری دوشے ملاحظہ کیجئے:-

(۱) الصحیفة لعلي المرتضى رضی اللہ عنہ . ذکرها ابو داود السجستانی

لہ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو توجیہ النظر فی اصول الاثر للبخاری، تنظیم الاشتات جلد اول، فتح المغیث للسخاوی، فتح الباقی شرح الفیہ العزائی، کشف اصطلاح الفنون لمحمد التھانوی، کشف الظنون للخلیفہ۔

مصحح الزماجر

۱۰

شرح اردو ابن ماجہ

(۲) الصحیفة لابن مسعود رضی
(۳) الصحف لانس بن مالک رضی
(۴) الصحیفة لابن عباس رضی
(۵) الصحیفة لجابر بن عبد الله
(۶) الصحیفة الصادقة لابن العاصی
(۷) کتاب الصدقة
(۸) الصحیفة لعمر بن حزم
(۹) الصحف لابی ہريرة رضی
(۱۰) الصحیفة لسمرة بن جندب
(۱۱) الصحیفة لسمرة بن جندب

جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر
تلاویح الحديث للکيلانی
طبقات لابن سعد
نقل البخاری فی التاريخ الكبير عن معمر
مسند للامام ابن حنبل
یہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اطوار کرایا ہوا دوشتر تھا۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن حزم کو بخاران کا عامل بنایا
بعد بطور قانونی دستاویز یہ صحیفہ ان کے حوالہ کیا۔
جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر و المستدرک للحاکم
تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی

ان کے علاوہ بے شمار صحیفوں کا ذکر مطولات میں موجود ہے۔
(ج) - محققین کے نزدیک صحاح ستہ کی ترتیب اس طرح ہے :-

(۱) بخاری شریف (۲) مسلم شریف (۳) نسائی شریف (۴) ابوداؤد شریف (۵) ترمذی شریف (۶) ابن ماجہ شریف -

بعض حضرات نے صحاح ستہ میں ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو شمار کیا ہے ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی بھی یہی رائے ہے جبکہ دوسرے علماء کے نزدیک سنن دارمی کتب ستہ میں شمولیت کی زیادہ مستحق ہے لیکن محدثین کی اکثریت ابن ماجہ شریف ہی کو صحاح ستہ میں شامل کرنے پر متفق ہے۔ حافظ عماد الدین دمشقی، ابن الاثیر جزری، ابوالحسن سندھی اور اکثر مورخین کی بھی یہی رائے ہے جب کہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی فرماتے ہیں کہ موطا امام مالک ہر حیثیت سے صحاح میں شمولیت کی زیادہ مستحق ہے۔

(د) - حافظ عماد الدین دمشقیؒ نے البدایہ والنہایہ میں امام ابو زرعة رازی سے نقل کیا ہے انھوں نے ابن ماجہ شریف پر تحقیق کی تو کل دس بارہ روایتیں ایسی ان کی گرفت میں آئیں جن پر

لہ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمادیں حدیث مقدمہ رس ترمذی تنظیم الانشعاعات خطبات مدراس ص ۷۷ -

موضوع اور منکر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔
اس سے مزید آگے بڑھتے ہوئے صاحب تذکرۃ الحفاظ نے اس قسم کی احادیث کی تعداد ۳۰ نقل کی ہے جب کہ بعض حضرات نے کہا کہ ایسی احادیث کل اٹھارہ ہیں۔
امام ابن الجوزی نے ابن ماجہ کی چوبیس احادیث کو موضوع کہا ہے۔
ان اقوال کے علاوہ جہور مورخین نے بھی ابن ماجہ شریف کی موضوع و منکر احادیث کی تعداد تاریخی روایتوں کی مدد سے تیس ہی بتائی ہے۔
امام ابو زرہ رازی کی دوسری روایت (جس کو ابن طاہر نے نقل کیا ہے) میں ضعیف و منکر احادیث کی تعداد تیس سے کچھ کم بیان کی گئی لیکن محشی نسائی شریف نے اس روایت کو منقطع اسناد ہونے کی بنا پر ناقابل تسلیم قرار دیا اور کہا و قد حکم ابو زرہ علی احادیث کثیرہ منہ بكونها باطلۃ او ساقطۃ او منکرۃ یعنی ابو زرہ نے ابن ماجہ کی احادیث کی کثیر تعداد کو باطل ساقط اور منکر کہا ہے۔
علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی ابن ماجہ کی بائیس احادیث کو موضوع کہا ہے۔
سوال ۲ (الف)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ کی سوانح عمری مختصر تحریر فرمائیے۔
(ب)۔ ابن ماجہ نے دیگر اصحاب سنن کی طرح اپنی کتاب کا آغاز کتاب الطہارت سے کیوں نہیں کیا؟
(ج)۔ ابن ماجہ شریف میں کتنی ثلاثیات مروی ہیں تعداد و طریق بتاتے ہوئے کسی ایک حدیث کو قلمبند کیجئے۔
(د)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں وضاحت کیجئے؟۔
جواب سوال ۲ (الف)۔ کنیت ابو عبد اللہ، نام نامی محمد بن یزید ربیع قزوینی حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحقیق کے مطابق ماجہ آپ کی والدہ محترمہ کا نام اور دادا کا نام عبداللہ ہے مورخین کی بھی ایک جماعت کی یہی رائے ہے حضرت امام علیہ الرحمہ ۲۰۹ھ مطابق ۸۲۴ء

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع ابن ماجہ۔ و تذکرۃ الحفاظ للذہبی تنظیم الاشتات ص ۲ جلد اول۔ الاحادیث الموضوعة للشوکانی، الموضوعات لابی الجوزی، الموضوع لعلى القاری" ۲۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "کتاب الحلل لابی حاتم" ۳۔ ملاحظہ ہو "منہج القدماء و مقدمہ الفتح" وغیرہ۔

میں عراق کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے قزوین کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں فتح کیا یہ اس وقت علمی دنیا کا نہایت زرخیز اور غیر معمولی اہمیت کا حامل شہر تھا اور یہیں سے دنیا کے حدیث کی ایسی یکتائے روزگار ہستیاں اٹھیں جو علم حدیث میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں اور جن کو دنیا محمد بن سعید، علی بن محمد، عمرو بن رافع، اسماعیل بن ثوبہ وغیرہ کے بلند ناموں سے جانتی ہے۔

حضرت امام موصوفؒ نے اپنا بچپن واپکین اسی وطن مالوف کی علمی فضاؤں میں گزارا اور نو عمری تک قزوین ہی میں چوٹی کے محدثین اور قابل ترین علماء و مفتیین کے زیر سایہ علمی مراحل طے کرتے رہے ان تمام مشارب سے سیراب ہونے کے بعد آپ نے بحر علمی کیلئے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بغداد، بصرہ، خراسان، مصر، شام، رملہ، واسطہ وغیرہ کے طویل ترین سفر کئے اور جبارہ بن غنیس، ابراہیم بن المنذر، ابن نمیر، ہشام بن عمار، ابوالکمالک اور اصحاب لیث، ابوبکر بن شیبہ اور اسی طبقہ کے دوسرے بزرگوں سے علم حاصل کیا اور فن حدیث و تفسیر میں وہ وسعت اور گہرائی حاصل کی جس کی نظیریں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

امام موصوفؒ نے حصول علم کے بعد جہاں فن تفسیر میں "التفسیر" فن حدیث میں "سنن ابن ماجہ" اور فن تاریخ میں "التاریخ" جیسی شاہکار کتابوں کی تصنیف کی وہیں حدیث کی زبردست درسی خدمات بھی انجام دیں اور آپ کے مختصر حلقہ درس سے فقہاء و صالحی مفسرین و محدثین کی شاندار جماعت تیار ہوئی۔ ابراہیم ہمدانی، احمد قزوینی، علی بن سعید عسکری، احمد بن روح شعرائی، محمد بن عیسیٰ، جعفر بن ادریس، حسین بن علی، سحان بن یزید، ابن محمد حبیبانی، ابوالحسن علی بن ابراہیم وغیرہ اسی جماعت کے درخشاں ستارے ہیں۔

تفسیر و حدیث و تاریخ کے اس زبردست امام نے ۲۱ رمضان المبارک بروز دوشنبہ ۲۳۵ھ میں ۶۴ سال کی عمر میں دیکھنے کے بعد اس دار فانی کو خیر باد کہا ۲۲ رمضان المبارک شنبہ کو آپ کو سپر خاک کیا گیا اور یوں دنیا علم و معرفت کے ایک روشن منارے کی نورانی کرنوں سے محروم ہو گئی۔

امام صاحب کے حالات کی ترتیب میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے تفصیل کیلئے انہیں کی طرف رجوع فرمائیں "ماتمس الیہ الحاجہ بن یطالع ابن ماجہ، مقدمہ نوار الباری ج ۲ مطبوعہ پاکستان البقیہ ص ۱۱۱ پر

(ب)۔ اہل علم اور مصنفین کا یہ طرز عمل رہا ہے کہ وہ اپنی تصنیفات کا آغاز انہیں مضامین اور علوم والہ ابواب سے کرتے ہیں جو ان کے نزدیک مہتمم بالشان اور انتہائی اہمیت کے حامل ہوں، آغاز کبھی علم کی نوعیت کی وضاحت کیلئے کبھی مشرب اور منہج کی جانب لطیف اشارہ کیلئے اور کبھی علم کے اعتماد کو بڑھانے کیلئے اس کی اسناد کی ثقاہت و عظمت سے کیا جاتا ہے اور کبھی شرط و مشروط کی تقدیم و تاخیر کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ کوئی مقرر نہیں بلکہ زمانہ کے تقاضوں و چند مباحث سے غفلت نیز غلو اور جہالت کے پیش نظر ہر محدث اپنے اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق اپنی کتاب کا آغاز کرتا ہے اور اپنے ماحول سے بھی وہ متاثر ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح کا آغاز ”باب بدر الوحی“ سے کر کے وحی کی غیر معمولی اہمیت اور تمام علوم کا مشرب و منہج ہونے کی جانب ایک واضح اشارہ کیا ہے کیونکہ وہی سب سے مقدم ہے اور تمام اصناف علوم اسی کی رہیں منت ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ”ان هذا العلم دین فانظر واعین تأخذوا به دینکم“ کو مد نظر رکھتے ہوئے اسناد کی بحث کو مقدم کیا تاکہ ہمارے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطوں اور رواۃ کی جو کڑیاں ہیں انکی ثقاہت اور اعتماد کی وضاحت ہو جائے اور انکی عظمت و ثقاہت دلوں میں اتر جائے۔

دوسرے اصحاب سنن نے ”الشرط یقدم علی المشروط“ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی تصنیفات کی ابتداء کتاب الطہارۃ سے کی کیونکہ اعمال حارح سے عقائد و ایمان کی تصدیق ہوتی ہے اور اعمال میں سب سے اقدم نماز ہے اور اس کی ادائیگی کیلئے طہارۃ شرط ہے۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”من یطع الرسول فقد اطاع اللہ“ کے پیش نظر شرط اور مشروط کا معیار ہی بدل دیا اور انہوں نے اتباع سنت کو شرط اور پوری شریعت کو مشروط قرار دیا اور ”وما آتاکم الرسول فخذوه وما نہاکم عنہ فانتہوا“ کے پیش نظر ”قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی“ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ پہلے

بقیہ ص ۱۸ مقدمہ الاشعہ ص ۱۸ مقدمہ انوار المحمود ص ۱۸، بستان المحدثین للعلامی، ظفر الحق علیہ السلام، میثین عظام الحوطہ فی ذکر الصیاح الستہ۔

شرح اردو ابن ماجہ ۱۲ مصباح الزجاجة

اتباع سنت اور تعظیم حدیث وغیرہ ابواب قائم کئے پھر عقائد و ایمان کی احادیث ذکر کرتے ہوئے فضائل صحابہ کا باب قائم کیا اس سے ان کا مقصد جہاں حضرات صحابہ اور وسائل کی عظمت و ثقاہت کو ثابت کرنا ہے وہیں یہ لطیف اشارہ بھی کرنا ہے کہ حضرات صحابہ کسویٰ ہیں ہمارے عقائد ایمان و قدر وغیرہ جب ہی اتباع سنت کے زمرہ میں آئیں گے جب کہ وہ عقائد صحابہ کے عین مطابق ہوں ورنہ ان پر سنت کا اطلاق نہ ہوگا اور تصادم کی صورت میں ان پر عقائد خارج و جہیمہ اور معتزلہ و روافض کا اطلاق ہوگا امام نے فضائل صحابہ کے بعد ان گمراہ فرقوں کا ذکر کرنے سے یہی تاثر دیا ہے تو اس طرح کی ترتیب سے امام ابن ماجہ علیہ الرحمۃ نے سب سے شاندار آغاز کیا ہے اور ”ما انا علیہ واصحابی“ کی دلچسپ اور انوکھی تشریح کی ہے۔

(ج)۔ امام ابن ماجہ علیہ الرحمۃ نے اپنی سنن کو چار ہزار احادیث سے ترتیب دیا ہے جن میں امام موصوف نے پانچ ثلاثی حدیث بھی نقل کیں ہیں ان تمام ثلاثیات کا طریق یہ ہے کہ :-
”حدثنا جابر بن مغفل عن ثناء کثیر بن سلیم سمعت انس بن مالک“
ذیل میں ایک ثلاثی حدیث نقل کی جاتی ہے جس کو امام موصوف نے ”باب الموضوع عند الطحان“ میں ذکر کیا ہے۔

”من احب ان یكثر الله خیر لیبته فلیتوضأ اذا حضر غداءه و اذا رفع“
(د)۔ محدثین اور خصوصاً صحاح ستہ کے مصنفین کی زندگی کا یہ پہلو تقریباً پردہ خفا میں رہا ہے کہ یہ ائمہ بتوعین میں سے کس کے مقلد ہیں نہ ہی انھوں نے اپنے مسلک و مذہب کی وضاحت کی اور نہ ہی صراحتاً کسی امام کی تردید و تکذیب کی جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ موصوف فلاں کے دائرہ اتباع سے خارج اور فلاں کے زمرہ بتوعین میں داخل ہیں شایع حدیث و سوانح نگاروں نے ان کے رجحانات و میلانات اور اشارات کو دیکھتے ہوئے اپنے ذوق و طبیعت کے مطابق کچھ رائیں قائم کیں ہیں جن میں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی ہونے کا ذکر ہے لیکن بالیقین حتمی فیصلہ مشکل ہے کیونکہ ہر ایک کے بارے میں متعدد و مختلف اقوال نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ محدثین فقہاء کی بڑھی اکثریت فقہاء محدثین کی مقلد نہیں ہے بلکہ وہ خود مجتہد ہے اور ان کے اجتہاد کا دائرہ ان کی ذات اور ایک مخصوص حلقہ تک محدود ہے مذاہب اربعہ کی طرح نہ انھیں فروغ ملا اور نہ ہی ان کا مسلک عوامی زندگی

میں رائج ہوا اس تہمید کو ذہن میں رکھتے ہوئے ابن ماجہ علیہ الرحمہ کے باریک چند اقوال ملاحظہ کیجئے۔

- (۱) - علامہ طاہر المجاز کی فرماتے ہیں کہ امام ابن ماجہؒ علماء حجاز امام شافعی امام احمد اور امام اسحاق علیہم الرحمہ کے مقلد نہیں بلکہ ان سے متاثر ہیں ورنہ فی الحقیقت تو وہ خود مجتہد ہیں۔
- (۲) - ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو شاید امام ابن ماجہؒ کا جھکاؤ ابن حنبل کی جانب زیادہ محسوس ہوا تو انھوں نے ان کے حنبلی ہونے کا اظہار خیال کیا۔
- (۳) - اس کے برعکس امام العصر ابن حجر ہند علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ امام ابن ماجہ غالباً شافعی ہیں۔

ان اقوال کے علاوہ علماء شافعیہ سے شافعی حنبلیہ سے حنبلی ہونا نہایت زوردار طریقہ پر بھی منقول ہے۔

سوال ۱ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاجْتِلَاءِ فِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَخُذُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَادْفَعُوا (الف)۔ حدیث شریف کا معنی خیر ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ مذکورہ حدیث میں فرمان نبویؐ پر اکتفا کرنے کا ایسا اور مزید تفتیش کی قباحت معلوم ہوتی ہے حالانکہ سوال کی مانعت ”فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون“ اور حدیث ”حسن السوال نصف العلم“ کے عقلاً و نقلاً معارض ہے آپ بالدلیل تعارض کو رفع کیجئے۔

(ج)۔ مندرجہ بالا حدیث میں صرف ”ما امرتکم کیساتھ“ ما استطعتم کی قید کیوں لگائی گئی وضاحت کیجئے۔

جواب سوال ۱ (الف)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا میں نے جس چیز کو چھوڑ دیا تم بھی اس کو چھوڑ دو اور اس کے باریک مجھ سے سوال نہ کرو اور جب ایک چیز کو مطلق بیان کروں تو اس کی قیود و شرائط کے بارے میں تفتیش نہ کرو (اسی لیے کہ تم سے پہلی امتیں اپنے اسی (غیر ضروری) قسم کے سوالات اور اپنے انبیاء (کے مراتب و اسوہ) کے بارے میں جھگڑنے ہی کی بنیاد

پر ہلاک ہو گئیں (جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے گائے کے اوصاف اور بلا و جبر کی شرائط کی تفتیش کر کے اپنے نبی کو بھی تکلیف دی اور خود بھی پریشانی میں مبتلا ہوئے) تو جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو بقدر استطاعت اسے پکڑو (اور حتی الامکان عمل کرنے کی کوشش کرو) اور جب میں تم کو کسی چیز سے روکوں تو اس سے باز رہو (اور ارام سالمہ کی طرح اس منکر کی علت نہی و نفی کے بارے میں استفسار نہ کرو)۔

(ب)۔ حدیث باب سے مطلق سوال کی نہیں بلکہ قیل وقال (یعنی کھود کرید اور لغو تفتیش کی نہایت وقاحت ثابت ہوتی ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے تھے حضرت مغیرہ بن شعبہ نے امیر معاویہ کو خط لکھتے ہوئے اسی عادت شریفہ کا ذکر فرمایا، میکہ "انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ینہی عن قیل وقال وکثرة السؤال" اس کے بعد محشی بخاری فرماتے "ای نہی عن المسائل التي لا حاجة اليها" نیز مشہور حدیث "ان اعظم المسلمين جرماً من سأل عن امر لم يحرم فحرم على الناس من اجل مسألته" کا مصداق بھی یہی قیل وقال اور لا یعنی سوالات ہیں۔ امام طیبؒ بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "هذا (التخليط) في حق من سأل عبثاً وتكلفاً فيما لا حاجة به" آگے "فاستأوا اهل الذكر" کے تعارض کو اس طرح ختم کرتے ہیں "دون من يسأل سوال حاجة فانه يثاب"۔

محشی ابوداؤد "السؤال نصف العلم" کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کے تضادم کو اس طرح ختم کرتے ہیں "واما من يسأل لاستبانة حكم واجب او مندوب او مباح قد خفي عليه فلا يدخل في هذا الوعيد"۔

امام بغوی نے بھی شرح السنن میں یہ تصریح کی ہے کہ جو سوالات بطور تعلم ضروری ہوں تو فاستأوا اهل الذكر کی رو سے ان کا پوچھنا واجب ہے لیکن جو سوالات محض کھود کرید اور ذہنی ورزش کے طور پر کئے جائیں حدیث باب میں انھیں کی ممانعت ہے۔

۱۔ بخاری جلد ثانی ص ۱۸۳ ۲۔ بخاری جلد ثانی ص ۱۸۴ ۳۔ ابوداؤد جلد ثانی ص ۲۹۶ ۴۔ دیکھئے ترمذی جلد ثانی ص ۹۶ کا حاشیہ ۱ ۵۔ ابوداؤد جلد ثانی ص ۲۹۶ کا حاشیہ ۱ ۶۔ بخاری جلد ثانی ص ۱۸۴ و کشف الحامی ص ۳۲ نیز دیکھئے "تنظیم الانشآت" جلد چہارم ص ۲۱۲۔

امام کرمانیؒ ایسے سوالات کی مانعت کی علت یوں بیان کرتے ہیں "السؤال عن الشيء بحيث يصير سبباً لتحويل شيء من المباح وهو اعظم الجرائم لانه صار سبباً لتضييق الامر على جميع المسلمين"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مقصد کی وضاحت کیلئے ترجمۃ الباب "باب ما کبرہ من کثرة السؤال وتكلف ما لا یغنیہ و قوله تعالى لا تسئلوا عن اشياء ان تبدلکم تسوئکم" قائم کیا ہے لہذا یہ حدیث ایسے ہی سوالات کی قباحت بیان کرتی ہے جب کہ ضروری سوالات تو صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں کالہ، انفال، شہر حرام، اہلہ، محیض کے سوالات کا ذکر ہے اور زرعی حدیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ضروری سوالات باعث ثواب بھی ہیں "العلم خزائن ومفاتيحها السؤال افاستلوا فانه يوجز فيه اربعة السائل والعالم والمستمع والمحيط لهم" ہماری اس تشریح سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حدیث باب اور "فاستلوا اهل الذکر" نیز "حسن السؤال نصف العلم" میں عقلاً و نقلاً کوئی تعارض نہیں۔

(ج)۔ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے مولانا ساجد صاحب علامہ سیوطیؒ کے قول کی تشریح اس طرح کرتے ہیں "منہیات سے اجتناب بہ نسبت ایتان مامورات کے سہل ہے اس لئے امر تکم کو استطاعت سے مقید کیا گیا وضاحت اس کی یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے کیلئے نفس صلاحیت کے علاوہ ایک اور قوت درکار ہوتی ہے یعنی علی الفعل اور فاعلۃ للفعل اور چھوٹنے کیلئے محض فقدان صلاحیت ہی کافی ہوتی ہے" اسی لئے نہایت کم کیسا تمہ استطاعت کی قید نہیں لگائی گئی۔"

سوال ۱۷ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَذْكُرُ الْفَقْرَ وَنَتَحَوَّنُهُ فَقَالَ الْفَقْرُ نَخَافُونَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَصْبِيحَنَّ عَلَيْكُمْ الدُّنْيَا صَبَاً حَتَّى لَا يَرِيحَ قَلْبُ أَحَدِكُمْ إِزَاعَةً الْآهِيمِ، وَأَيُّمُ اللَّهُ لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلِهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ رَضِيَ صَدَقَ وَاللَّهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكْنَا وَاللَّهُ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلِهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ.

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیر ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ جب صحابہ کرام رضہ حدیث ”کاد الفقران یكون کفرًا“ کے پیش نظر فقر و فاقہ سے ڈر رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کثرت مال سے کیوں ڈرایا؟

(ج)۔ ”وایم الله لقد ترککم الخ“ کا ماقبل سے ربط بیان کرنے کے بعد ”لیلہا ونہارہا“ کے مراجع اور ”مثل البیضاء“ کا مصداق معین کیجئے۔

ترجمة الباب ”باب اتباع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم“ سے حدیث کی مناسبت ظاہر کیجئے۔

جواب سوال ۱۸ (الف)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس (ایسی حالت میں) تشریف لائے کہ ہم فقر و فاقہ کا تذکرہ کر رہے تھے اور (فقر سے) ہمارے قلوب سہم رہے تھے (ہماری حالت کو دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم فقر و فاقہ سے ڈر رہے ہو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے (عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ تم پر دنیا کی ایسی بریل پل ہوگی) (اور جاہ و ثروت تم کو اتنا نازا جائے گا) کہ دنیا کے علاوہ تمہارے دل کو کوئی چیز مائل نہیں کر سکے گی (یعنی دنیاوی و مادی منفعت کے بغیر کوئی کام نہ کر سکو گے) اللہ کی قسم میں نے تم کو ایک روشن (دینی و اسلامی) ماحول میں چھوڑا ہے جس کے رات اور دن بالکل برابر ہیں (جس طرح دن کے اجالے میں کوئی ظلم نہیں ہوتا اسی طرح رات کے اندھیروں میں تمام انسان مامون رہتے ہیں) حضرت ابوالدرداء (اظہار تشکر کے طور پر) کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے سچ کہا واقعی آپ نے ہمیں ایسے ماحول میں چھوڑا جس (کی برکت سے اس کے) رات اور دن یکساں ہیں۔

(ب)۔ صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت مال سے اس لئے ڈرایا کہ کثرت مال فقر و فاقہ سے زیادہ مضر اور اس امت کا خاص الخاص فتنہ ہے کما رواہ الترمذی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”ان لكل امة فتنۃ وفتنة امتی المال“ نیز اس کثرت مال سے ڈرانے میں صحابہ کیلئے تسلی کا پہلو بھی مضمحل ہے کہ تم فقر سے ڈر رہے ہو حالانکہ وہ زمانہ بہت جلد آئیگا کہ روم و ایران کی حکومتیں اور دولت کے ڈھیر تمہارے قدموں میں ہوں گے تو اس وقت تمہارا فقر سے ڈرنا بیکار ہے بلکہ کثرت مال اور اس کے فتنوں سے ڈرنا کیونکہ آئندہ

شرح اردو ابن ماجہ

۶۹

مصباح الزجاجة

تمہاری آزمائش کا یہی میدان ہے۔

ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کثرت تو ہر چیز کی بری ہوتی ہے فقر و فاقہ میں کثرت ہو جائے تو "کاد الفقرا یكون کفرًا" کا اندیشہ ہے اور اگر کثرت مال ہو جائے تو دولت کے نشہ میں انسان خدا کو بھول جائے اور فرعون کی طرح "انار یکم الاعلیٰ" کے جھوٹے دعوے کرنے لگے لہذا تم کو دونوں ہی کثرتوں سے فکر مند رہنا چاہیے تو صحابہ صرف ایک کثرت کی جانب دیکھ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوسری کثرت کی جانب بھی توجہ دلا دی جو اول سے زیادہ مضر تھی۔

(ج)۔ "وایم الله لقد تریکم الخ" کا ماقبل سے یہ ربط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات سے کثرت مال و کثرت فقر نیز ان کی مضر توں و منفعتوں سے متعلق تمام امور و احکام کی وضاحت کر دی اور اپنے اصحاب کے سامنے اپنا اسوہ و ماحول پیش کیا جو زہد و قناعت، فقر و فاقہ اور دولت و ثروت پر مشتمل ہے اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی ابہام و اجمال نہیں بلکہ ہر امیر و غریب، فقیر و مسکین اور معاشرہ کے ہر انسان کیلئے ایک عظیم عملی نمونہ اور مکمل راہ نمائی ہے اب جو شخص جس حالت و کیفیت میں ہو وہ امیر کی غریبی اور بربر کیفیت کے احکام سیرت نبویؐ و عہد رسالت سے اخذ کر لے۔

"لیلھا ونھاھا" کی ضائر کا مرجع "مثل البیضاء" ہے۔

"البیضاء" کے مصداق میں علماء سے دو قول مروی ہیں:-

(۱)۔ اگر لفظ "مثل" کو بالفرض زائد تسلیم کیا جائے تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے قلوب ایمانی کی تعریف فرمائی ہے یعنی میری پیغمبرانہ تعلیم کی بدولت تمہارے قلوب میں ایمان اتنا راسخ ہو گیا ہے کہ مصائب و آلام کے پہاڑ اور خوشی کے بے قابو لہجے بھی تم کو اللہ کی جانب سے غافل نہیں کر سکتے اور تم مسرت و شادمانی، رنج و غم دونوں حالتوں میں اللہ ہی کے مطیع و فرمانبردار رہو گے۔

(۲)۔ لفظ "مثل" کو باقی رکھنے اور زائد نہ ملنے کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے دلوں کو اس زمین سے تشبیہ دی ہے جو اتنی صاف و شفاف ہے کہ دن کا اجالا اور رات کی تاریکی بھی اس پر انداز نہیں ہوتی اور وہ جھاڑ چھنک اور بالکل صاف و بے عیب فرما دے بھی بالکل پاک ہوتی ہے اور دن رات دونوں میں برابر چمکتی اور دھکتی رہتی ہے۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ ارض بیضا سے قلوب کو نہیں بلکہ امت کو شبہ دی گئی ہے تو اب مطلب یہ ہوا کہ ملت اسلامیہ کی فطری اور سیدی سادی تعلیمات پر عمل کرنا اتنا ہی آسان و سہل ہے جتنا کہ ارض بیضا پر دن رات میں کسی وقت بھی چلنا۔

سیاق و سباق کے لحاظ سے علامہ سندھی کی رائے زیادہ راجح اور قرین قیاس ہے۔

(د)۔ امام ابن ماجہؒ اس حدیث کو باب اتباع سنت کے تحت لائے ہیں حدیث اور ترجمہ میں مطابقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت امیر کی نہیں فقیر کی ہے اور امت کی عافیت و سلامتی بھی اس میں ہے کہ اس میں اپنے نبی کے طریق کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے زہد و قناعت اختیار کرے اور کثرت مال کے فتنوں سے دور رہے۔

نیز یہ بھی امام ابن ماجہؒ نے اشارہ کیا ہے کہ جب امت اتباع رسول اور پیروی سنت چھوڑ دے گی تو وہ فقر و فاقہ کو حقیر سمجھے گی اور مال کی ہوس نیز کثرت ثروت کے فتنوں کا شکار ہو جائے گی۔

نیز امام ابن ماجہؒ یہ تاثر بھی دینا چاہتے ہیں کہ صاف اور واضح شاہراہ اتباع سنت ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور سنت کے انحراف یقیناً تباہی کا پیش خیمہ ہے اسلئے امت کو فلاح و کامیابی حاصل کرنے کیلئے سنت کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ یہی صراطِ مستقیم ہے۔

سوال ۵ :- عن معاوية بن قرة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تزال طائفة من امتي منصورين لا يضرهم من خذلهم حتى تقوم الساعة۔

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیر ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ ”طائفة“ کی تینوں میں جو احتمالات و اقوال ہیں انھیں بیان کرنے کے بعد بتائیے اہل علم کے نزدیک طائفہ سے کون لوگ مراد ہیں ؟

(ج)۔ حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جماعت قیامت تک رہے گی جب کہ دوسری حدیث میں آتا ہے ”لا تقوم الساعة الا على شرار الخلق“ دونوں حدیثوں کا تعارض رفع کیجئے۔

جواب سوال ۵ :- (الف)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو ص ۲

شرح اردو ابن ماجہ

۳۱

مصباح الزجاجة

حضرت قرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں نصرت (خداوندی) سے مؤید ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے گی (اس کے اتباع سنت خلوص، لہیت اور غیبی مدد کی بنا پر یہ شان ہوگی کہ) اس جماعت کے افراد (صالحین) سے گریز کرنا ہوالے لوگ (انکی ذلت وحقارت کے خواہاں نیز مخالفین حق) انھیں قیامت تک کوئی گزند پہنچا سکیں گے۔

(ب)۔ ”طائفۃ“ کی تینوں میں تقلیل و تکثیر اور تعظیم تینوں معنی کا احتمال ہے شراح حدیث میں سے بعض نے تقلیل کو بعض نے تکثیر کو اور بعض نے تعظیم کے معنی کو ترجیح دی ہے تقلیل کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ یہ لوگ شہر ذمہ قلیلہ کا حقیقی مصداق ہوں گے اور تکثیر کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جماعت انسانیت کا عطر و جوہر ملت کا دماغ اور نسل انسانیت کا کھن اور انکی روح ہوگی جس کے سامنے حقیقت سے عاری بڑی بڑی قومیں اور زہر دست طاقتیں بھی ٹک نہ سکیں گی اور تعظیم کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ جماعت نہایت اعلیٰ و ارفع مراتب پر فائز ہوگی اور اس کی شان ہی زلالی ہوگی۔

ان تینوں معنی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے بجائے بیک وقت تینوں معنی مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے اب معنی یہ ہوں گے کہ یہ لوگ نہایت قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود دنیاوی و اخروی لحاظ سے اتنے با عظمت و ذی رفعت ہوں گے کہ ہزاروں انسان بھی کسی پہلو سے ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

”طائفۃ“ کا مصداق معین کرنے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں حضرت علامہ عثمانی کے بقول بہرکتہ فکر نے اپنے اپنے ذوق و مزاج کے مطابق اس کا مصداق معین بیان کیا ہے ذیل میں چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ہم اہل العلم“۔

(۲)۔ امام ترمذی علی بن مدینی کا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں :-

”سمعت محمد بن اسمعیل هو البخاری ویقول سمعت علی بن المدینی یقول ہم اہل الحدیث“۔

(۳)۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ان لم یسکونوا اہل الحدیث فلا ادری من ہم“۔

لے بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۸۸ دیکھئے بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۸۸ کا حاشیہ (۸) ۲۷ مسلم شریف جلد ثانی صفحہ ۱۲۳

(ب)۔ اعراب لگا کر معنی خیر ترجمہ کیجئے۔
(ج)۔ اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس روایت سے کیسے ثابت ہوگا؟ وضاحت کیجئے۔
جواب سوال ۶:۔ (الف)۔ اتباع سنت کے موضوع پر ہم نے "احسن الہدیٰ
ہدیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے تحت سید ایمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک
مضمون ۵۸ پر نقل کیا اس کا مطالعہ کیجئے اور درج ذیل دلائل سے اسے غور مدلل کیجئے۔

- ۱۔ یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔
 - ۲۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔
 - ۳۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔
 - ۴۔ ما آتاکم الرسول فخذوه وما نہاکم عنہ فانتہوا۔
 - ۵۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة۔
 - ۶۔ من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن اعصانی فقد عصی اللہ۔
- (ابن ماجہ)

(ب)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ فرمائیے۔

ابو نعیم خولانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے
سنا کہ اللہ تعالیٰ مسلسل اس دین میں (دین حق کی حامل امت میں) ایسی پود لگاتا رہے گا (اور
نسل در نسل متبعین شریعت کی ایک مخلص جماعت کو پیدا کرتا رہے گا) جس کو وہ اپنی اطاعت
(و فرمانبرداری) میں استعمال کرے گا (اور یہ جماعت برابر قرآن و سنت پر عمل پیرا رہے گی)۔
(ج)۔ مذکورہ حدیث شریف کو ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے "باب اتباع سنة رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم" کے تحت اسلئے ذکر کیا کہ اطاعت باری تعالیٰ مشروط اور اس کی ادائیگی کیلئے
اتباع سنت لازمی شرط ہے اور کوئی بھی جماعت اللہ کی اطاعت کا فریضہ جب ہی انجام دے
سکے گی جب کہ وہ اتباع سنت اور اطاعت رسول کی تمام منازل طے کر چکی ہوں، آیات قرآنی
"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی، من یطع الرسول فقد اطاع اللہ، وما
آتاکم الرسول فخذوه وما نہاکم عنہ فانتہوا" وغیرہ اس حکمت پر صریح دلائل کو دیکھ کر
میں نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ "من اطاعنی
فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ" لہذا اس بات پر تمام متقدمین و متاخرین

فقہاء اور محدثین و مفسرین و علماء حق متفق ہیں کہ اطاعتِ خداوندی کیلئے اتباعِ سنت لازمی اور اولین شرط ہے اور اس کے بغیر اطاعتِ خداوندی کا خواب کبھی شیرندہ تعبیر نہ ہو سکے گا اور اللہ تعالیٰ اس جماعت کو اتباعِ سنت کی توفیق مرحمت فرما کر اپنی اطاعت میں استعمال فرمائیں گے۔

سوال ۱۷۷ :- عن جابر رضی قال کُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَخْطُ خَطًّا وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَمِينِهِ وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَسَارِهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ فِي الْخَطِّ الْأَوْسَطِ فَقَالَ هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ "وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ".

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ روایت کی ترجمہ الباب سے مناسبت ظاہر کرتے ہوئے اس کا مقصد بیان کیجئے۔

(ج)۔ نیز یہ بتائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "ان اختلاف امتی رحمة" کا اس آیت کریمہ سے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے آپ تعارض کو رفع کیجئے۔

(د)۔ مسلمانوں کا ہر فرقہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کا دعویدار ہے آپ صراطِ مستقیم کو متعین کرینے کے بعد بتائیے کہ اس معیار پر کونسا فرقہ پورا اترتا ہے؟

جواب سوال ۱۷۷ :-

(الف)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو درج بالا حدیث۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہمیں) راہِ راست سمجھانے کیلئے ایک لکیر کھینچی پھر دو لکیریں اپنی دائیں جانب اور دو لکیریں اپنی بائیں جانب کھینچیں پھر (صراطِ مستقیم کی وضاحت کرتے ہوئے) اپنا ہاتھ درمیانی لکیر پر رکھا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے (اس کے علاوہ اور گمراہی کی لکیریں افراط و تفریط کی شیطانی راہیں ہیں) پھر آپ نے (مسئلہ کو مزید شرح کرنے کیلئے)

لے قرآن و حدیث اور اطاعتِ باری تعالیٰ و اتباعِ سنت میں کیا ربط اور ایس میں کیا تعلق ہے اور ایک دوسرے کو کچھ کرنا کی صورت میں اسلام کا کیا وزن و جائزہ گایہ جلد نے کیلئے ایک عربی عالم ڈاکٹر مصطفیٰ سباغی کی محرکہ انوار کتاب السنۃ و کائناتہا فی الشریع الاسلامیہ اور سعودی عرب میں رابطہ کے اجلاس میں پڑھایا گیا حضرت مولانا علی میراں رحمۃ اللہ علیہ اسلامی ماحول و مزارع کی تشکیل میں حضرت کا بنیادی کردار کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

یہ آیت تلاوت فرمائی "وإن هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيل الله"

(ب) حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے اس روایت کو "باب اتباع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم" کے تحت یوں ذکر کیا کہ اتباع سنت ہی صراط مستقیم ہے اور وہی جماعت اس پر گامزن ہو سکتی ہے جو سنت نبوی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہو اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے موقع پر اس طرح بیان کیا "وقد تركت فيكم ما ان اعتصمتم فكنتم تضرعون" ابد الامرينا كتاب الله وسنة نبيه "تو حدیث و باب میں گہرا ربط و تعلق موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ یہ دین اپنی تعلیمات و عقائد و نہیات و اوامر کے لحاظ سے ایک واضح فطری اور معتدل دین ہے اس میں تم کو جن عقائد کی تلقین کی گئی انکو اپنے قلب و دماغ میں اتار لو جن فرائض و ارکان سے مامور کیا گیا ان کو بغیر عقل و دماغ سے پرکھو بجالاؤ اور سمعنا و اطعنا کا مصداق بننے کی بوری کو شیش کرو اور ان تمام امور میں اعتدال اور وسط کو اپنا طرہ امتیاز بنا لو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ محمدیہ کو امت وسط کا لقب دیا "وذلك جعلكم امتا وسطا" تو حدیث باب میں خط وسط سے آپ نے معتدل شاہراہ اور صراط مستقیم کی وضاحت فرمائی اور دائیں بائیں جانب کی لکیروں سے افراط و تفریط اور غلو کی وضاحت فرمائی۔

حقیقت یہ ہے کہ افراط و تفریط اور غلو جس فرقہ جس ملت اور جس امت میں پیدا ہو جائے تو اس کا صراط مستقیم اور معتدل شاہراہ پر قائم رہنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے جیسا کہ جبریت نے افراط سے کام لیتے ہوئے جب مسئلہ قدر میں غلو کیا تو بندہ کو مجبور محض قرار دیدیا اس کے برخلاف قدریہ نے اس مسئلہ میں جب قیاس و عقل کے گھوڑے دوڑائے تو اپنی کم سمجھی کی بنا پر قدری کا انکار کر بیٹھے اس طرح شیعہ خوارج معتزلہ وغیرہ کے تمام باطل عقائد اسی افراط و تفریط اور غلو کا نتیجہ ہیں لہذا صحیح روش وہی ہے کہ اتباع سنت اتباع صحابہ اور اتباع سلف صالحین کو ہی اپنا طرہ امتیاز بنایا جائے اور ایسی تمام جماعتوں تمام فرقوں سے بالکل اجتناب کیا جائے جو افراط و تفریط کی دلدل میں گھسی ہوئی ہیں۔

لہ اس حدیث کی مندرجہ تفسیر کیلئے دیکھئے "التعلیق المصباح للکاذہلوی جلد اول ص ۱۱۱، مرقاة المفاتیح جلد

اول ص ۲۱۰، شرح مسند طحاوی ج ۱ ص ۱۹۴۔

(ج)۔ (۱۱)۔ وان هذا صراطى مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله۔

(۲)۔ واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا۔

(۳)۔ ولايزالون مختلفين۔

مندرجہ بالا آیات اور اسی قسم کی دوسری آیات اور حدیث ”اختلاف امتی رحمة“ کے الگ الگ محل متعین ہیں ان آیات سے اس اختلاف کی حرمت و قباح و شناعة ثابت ہوتی ہے جو تقاضہ نفس اور اتباع ہوس کی خاطر کلیات و اصولیات دین میں کیا جائے اور اطاعت باری تعالیٰ کا اس میں شائبہ بھی نہ ہو جب کہ ”اختلاف امتی رحمة“ سے وہ اختلاف مراد ہے جو محدثین و مفسرین فقہاء و مجتہدین اور علماء حق کے درمیان رونما ہوا اور ہر ایک کا مقصد سبب علت و حرمت کی دریافت اور علت جواز و عدم جواز کی تلاش اور ہر ایک کا مطلق نظر رضا الہی اور لیس فی الدین پیدا کرنا ہے اور یہ اختلاف محض جزوی و فروعی مسائل تک محدود ہو اصولیات و کلیات سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہ ہو تو یہی اختلاف دین میں محبوب و باجائز ہے حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ آیت اور حدیث کے اس تعارض کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وہ اختلاف جس کو قرآن میں عذاب الہی اور رحمت خداوندی سے محروم فرمایا گیا ہے وہ ہے جو اصول و عقائد میں ہو یا نفسانی اغراض و اہواؤ کی وجہ سے ہو اس میں وہ اختلاف برائے داخل نہیں جو قرآن و سنت کے تباہ کن ہو اصول اجتہاد کے ماتحت فروعی مسائل میں فقہاء امت کے اندر قرن اول سے صحابہ و تابعین میں ہوتا چلا آ رہا ہے جس میں فریقین کی حجت قرآن و سنت اور اجماع ہے اور ہر ایک کی نیت قرآن و سنت کے احکام کی تعمیل ہے مگر قرآن و سنت کے مجمل یا مبہم الفاظ کی تعبیر اور ان سے جزوی و فروعی مسائل کے استخراج میں اجتہاد اور رائے کا اختلاف ایسے ہی اختلاف کو ایک حدیث میں رحمت فرمایا گیا ہے جامع صغیر میں بحوالہ نصر مقدسی و بیہقی امام الحرمین

یہ روایت نقل کی ہے کہ ”اختلاف امتی رحمة“

ہماری اوپر کی توضیح و تشریح سے یہ بات صاف واضح ہو گئی کہ حدیث، باب کی آیت اور ”اختلاف امتی رحمة“ میں عقلاً و نقلاً کسی قسم کا کوئی تعارض موجود نہیں اور دونوں کے الگ الگ محل متعین ہیں۔

لے مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو معارف القرآن جلد سوم ۹۲-۹۱- نیز صفحہ ۳۶۳

(۱۶) - صراط مستقیم کی وضاحت اور اس کی تعیین کے سلسلے میں یہ حدیث نقل کر دینی کافی ہے :-

”عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وان بني اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفتقر امتي على ثلث وسبعين ملة كلهم في النار الا ملة واحدة قالوا من هي يا رسول الله قال ما انا عليه واصحابي“
شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ بہتر فرقہ وجود میں آگئے اور ان کے اصل اصول یہ چھ فرقے ہیں :-

۱۔ شیعہ (۲) معتزلہ (۳) خوارج (۴) مرجیہ (۵) جہرہ (۶) مشبہہ - ۵
شیعہ کے بتیس، خوارج کے پندرہ، معتزلہ کے بارہ، مرجیہ کے پانچ، جہرہ کے تین اور مشبہہ کے پانچ فرقے ہیں۔ اس طرح فرق باطلہ کی تعداد بہتر ہوئی اب سب آخری فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ہے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے معیار ”ما انا علیہ واصحابی“ کی رو سے دیکھ لیا جائے کہ کون سا فرقہ حق پر ہے اور صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا دعویٰ کس فرقہ کا صحیح ہے۔ شیعوں کے اصل الاصول عقائد یہ ہیں :-

(۱) امامت معصومہ (۲) تقیہ (۳) متعہ (۴) انکار سید علی الحنفین (۵) رجعت (۶) تحریف قرآن (۷) تکفیر صحابہ۔

ان عقائد کی موجودگی میں شیعوں کا صراط مستقیم پر قائم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو سراسر اسلام و ایمان اور نبوت محمدی کے حریف ہیں۔

معتزلہ کے عقائد قرآن کا مخلوق ہونا، بندوں کا اپنے افعال کا خود خالق ہونا نیز رویت باری تعالیٰ مقبول میت، حرام رزق، عذاب قبر، سوال منکر نکیر، میزان حوض اور صراط، شفاعت نبوت آدم

علیہ تفصیل کیلئے دیکھیے: الفصل لابن حزم، الملل والنحل للشیخ ہستانی، العقیدۃ الواسطیۃ لابن تیمیہ، الفرق الاسلامیۃ للبیشی، تاریخ المذہب الاسلامی للشیخ ابی زہرہ، البدایہ والنہایہ علی عقائد شیعہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو منہاج السنۃ لابن تیمیہ، کتاب الشفاء للقاضی، غنیۃ الطالبین ص ۱۵۷، تحفۃ الثماریۃ للعلامی، تنبیہ الحارثین للفاروقی، آیات بینات، الحسن ملک، ہدایت الشیعۃ للکتبوی، بدیۃ الشیعۃ للناوقلوی، ہدایات الرشید للہسار نفوذی، نیز حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کی کتاب ”زرائع انقلاب امام خمینی اور شیعیت“ اور انھیں کا استفادہ اور حضرت محدث افظم کے فتویٰ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

اور کرامات اولیاء وغیرہ کے انکار کی موجودگی کی صورت میں ان کا صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا دعویٰ سراسر باطل ہے کیونکہ یہ تمام باطل خیالات عہد رسالت و عہد صحابہ میں ناپید ہیں اب خوارج کے عقائد پر ایک نظر ڈالئے تو وہ مترکب کبیرہ کو کا فر قرار دیتے ہیں حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے حامی تمام صحابہ و تابعین کو کا فر گردانتے ہیں اپنے مخالف مذہب کا خون ان کے نزدیک حلال اور اس کی شہادت مردود ہے اس کے علاوہ شیعہ اور معتزلہ کے اکثر عقائد باطلہ میں خوارج بھی انکے برابر کے شریک ہیں لہذا مانا علیہ و صحابی کا ان سے بھی کوئی تعلق نہیں ان کا دعویٰ حق بھی اوام باطلہ پر مبنی ہے اب رہے مرجیہ تروہ اعمال صالحہ کی اناریت کے منکر ہیں اور جبریت بندہ کو مجبور محض مانتے ہیں اسی طرح مشبہ باری تعالیٰ کیلئے تشبیہ کے قائل ہیں لہذا ان تین مؤلذکر فرقوں کا بھی صراط مستقیم سے کوئی تعلق نہیں اور مذکورہ تمام فرق باطلہ کا دعویٰ حق سراسر بطلان و اوام پر مبنی ہے اس صراط مستقیم پر کون سا فرقہ گامزن ہے اسکے بار میں حضرت علامہ بدر عالم میٹھی رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”مخلو صبیحہ کہ ظاہر یہی ہے کہ اس فرقہ (فرقہ ناجیہ) سے وہی فرقہ مراد ہے جس نے سنت پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا ہے بدعت سے وہ ہمیشہ دور اور نفور رہا اس کے اعتقاد و عمل کے دلائل بازو درست ہیں یہی فرقہ سیدہ حاجت میں داخل ہوگا اور لفظ ”مانا علیہ و اصحابی“ بھی زیادہ تر اسی پر چسپاں ہوتا ہے۔“

اب ظاہر ہو چکا اس فرقہ ناجیہ سے صرف اہل سنت و جماعت ہی کا فرقہ مراد ہے کیونکہ ایمان و قدا و افعال و عقائد میں وہ صحابہ کے نقش قدم پر ہے نیز قرآن جو حق کو شہ جبران، صراط، شفاعت، نبوت آدم، کرامات اولیاء و صحابی الخفین، متعہ اور اس جیسے تمام مسائل میں اہل سنت و جماعت حضرات صحابہ کیساتھ ساتھ ہیں نیز مذکورہ عقائد کا عہد رسالت عہد صحابہ میں جو تصور اور جو خیال پایا جاتا ہے اہل سنت و جماعت پورے طور پر اسی کے پابند ہیں اور کسی بھی مسئلہ میں انھوں نے صحابہ سے خروج نہیں کیا لہذا حقیقت یہ ہے کہ ”مانا علیہ و اصحابی“ اور ”الامۃ واحده“ کا ہی فرقہ مراد ہے۔
 صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا دعویٰ بھی اسی جماعت کا شعور و دلائل اور روشن بزمین پر مبنی ہے پہلے مذکورہ تشریح کی روشنی میں یہی فرقہ اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

لہ معتزلہ کے عقائد کیلئے دیکھئے ”شرح عقائد“ لہ ترجمان اسناد جلد اول ص ۷۷ ”مانا علیہ و اصحابی“ کی تفصیل کیلئے دیکھئے ترجمان اسناد نمبر تیس ص ۷۷ جلد اول۔ اس کے علاوہ دیکھئے اختلاف امت اردو مستقیم۔ دین و شریعت۔

سوال ۵ :- عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه كان جالساً الى جنبه ابن اُحْج له فخذت قنماً وقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها وقال انها لا تصيد صيداً ولا تنكح عدواً وانها تكسر السن وتفقأ العين قال فعاد ابن اُخيم يخذف فقال اخذتُك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها ثم عدت تخذف لا اكلمك ابداً.

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیر ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ حدیث باب کی ترجمہ الباب ”باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ سے کیا مناسبت ہے؟ بیان کیجئے۔

(ج)۔ ”لا اکلمک ابداً“ صحابی کا یہ جملہ حدیث ”لا یحل لمسلم ان یمجر اخاه فوق ثلث لیال“ کی رو سے غیر درست معلوم ہوتا ہے آپ اس کی توجیہ بیان کیجئے۔

جواب سوال ۵ :- (الف)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو درج بالا حدیث۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بھتیجا کنکر بزرگ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس نے (کنکر) اٹھا کر پھینک دیا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اسے ڈپٹا اور (ناصحانہ انداز میں) فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے (لغو اور فضول) کاموں سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی حکمت یہ) بیان کی ہے کہ یہ (حقیر اور معمولی کنکر) نہ تو شکار مار سکتا ہے اور نہ ہی (وہ اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ دشمن کو کوئی گزند پہنچا سکے) (ہاں البتہ) اس سے یہ (نقصان) تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی (لٹے جانے والے) کا دانت توڑ دے اور کسی کی آنکھ پھوڑ دے (سعید بن جبیر) متعجب ہو کر (فرماتے ہیں کہ) اتنا سمجھانے کے باوجود بھی (ان کے) (کم سن) بھتیجے نے پھر وہی حرکت کی اور (دوبارہ) کنکر پھینکنے لگا (یہ دیکھ کر عبد اللہ بن مغفل غصہ سے بے قابو ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ میں تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں کہ آپ نے اس (طرح) کے لغو اور لاحاصل کاموں سے منع فرمایا ہے اور (تو ہے کہ) دوبارہ کنکر پھینکنے لگا (خدا کی قسم) میں تجھ سے کبھی نہیں بولوں گا۔

(ب)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اس روایت کو ”باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کے تحت اسلئے لائے کہ تعظیم حدیث کا یہ تقاضا ہے کہ ایک مسلمان شوق و رغبت سے حدیث

سُنے اور اس کے احترام میں اپنے تمام لغو اور فضول کاموں سے دستبردار ہو جائے حضرت عبد اللہ بن مغفل اپنے بھتیجے پر اسی لئے اتنے خفا ہوئے کیونکہ اس کا یہ عمل اور یہ رویہ تعظیم حدیث منافی تھا تو ان کے قول ”احدثك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن هذا“ میں ہی ترجمہ الباب موجود ہے۔

(ج) حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ بظاہر حدیث ”لا یجوز لمسلم ان یمسح برأسه فوق ثلث لیال“ سے معارض ہے کیونکہ حدیث شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کی اسلام اجازت نہیں دیتا جب کہ یہاں صحابی مذکور ہمیشہ نہ بولنے کا عہد کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ دونوں اصولوں میں کوئی معارضہ نہیں اور صحابی کا یہ عمل حدیث کے زمرہ میں نہیں آتا کیوں کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلق اس وقت ہی حرام ہوگا جب کہ اس کی کدورت و عداوت کی وجہ سے کوئی دنیاوی سبب ہو جبکہ یہاں ایک امر دینی کی وجہ سے صحابی تادیباً قطع تعلق کر رہے ہیں جو اسلام کی نگاہ میں نہ صرف جائز بلکہ ایک مستحسن امر اور احب للشر والبعض للشر کا صحیح مصداق ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف میں یہ ترجمہ الباب قائم کر کے اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے ”باب تحريم الهجر فوق ثلثة ايام بلا عذر شرعي“ اس سے معلوم ہوا کہ شرعی عذر کی بنا پر اس سے زیادہ قطع تعلق کی اجازت ہے۔

نیز علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی امر منکر پر نیکی کیلئے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کیا جاسکتا ہے لہذا صحابی رضی اللہ عنہ کے عمل پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔
اب مسئلہ کی مزید تشریح کیلئے ذیل میں علماء کے اقوال ملاحظہ کیجئے:-

(۱) امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں ”المنبي صلى الله عليه وسلم هجر بعض نسائه اربعين واربين عشرين يوماً هجر ابنائاً له حتى مات“ آگے فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ جب ہی ہے جبکہ یہ قطع تعلق خالص اللہ کیلئے ہو ”قال ابو داؤد رح اذا كانت الهجرة الى الله“

لہ یہ روایت بخاری و مسلم و ابو داؤد و ترمذی نیز ابن ماجہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے لہ دیکھئے شرح نووی سلم جلد ثانی ص ۳۱۳ لہ ملاحظہ ہو بذل الجہود جلد خامس ص ۳۶۱

۳۱

شرح اردو ابن ماجہ

مصباح الزجاجة

(۲)۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اسی قطع تعلق کی تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں ”واما ما کان من جهة الدين والمذهب فهجران اهل البدع والاهواء واجتنب الى وقت ظهور التوبة ومن خاف من مكالمته احد وصلته ما يفسد عليه الدين او يدخل مضرتة في دنياه يجوز له مجانته والبعد عنه“ صاحب سنن المصطفى رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

(۳)۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ اس سلسلہ پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں ”فان هجرة اهل الاهواء والبدع واجبة على مر الاوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع الى الحق“ اس کے بعد ملا علی قاری حضرت عائشہ و ابن زبیر، غزوہ تبوک کے تین صحابہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بیویوں کے ساتھ قطع تعلق کی مثال دیتے ہیں۔

(۴)۔ امام خطابی فرماتے ہیں ”رخص للمسلم ان يغضب على اخيه ثلث ليال لقلته ولا يجوز فوقها الا اذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالى فيجوز فوق ذلك“۔

(۵)۔ علامہ شامی اور ابن عبد البر نے بھی صراحت کی ہے کہ تحفظ دین اور منکر پر نیکر کیلئے تین دن سے زیادہ بھی ترک کلام کیا جاسکتا ہے۔

(۶)۔ شیخ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ صحابی کے اسی عمل کو بطور حجت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں ”و فيه جواز الهجران من اهل المعاصي ان اصرروا عليها“۔

سوال ۹۔ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ عَنْ أَبِي طَالِبٍ قَالَ إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا فَظَنُّوا بِهِ الَّذِي هُوَ أَهْنَاءُ وَأَهْدَأُ وَأَتَقَاءُ۔

(الف)۔ روایت بالا پر اعراب لگا کر معنی خیر ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق کیجئے۔

(ج)۔ نیز یہ بتائیے کہ اهناء و اهداء و اتقاء فرمانے کا مقصد اگر یہ ہے کہ اہل زنج و ضلال کلام شائع

۱۔ بذل الجہود جلد ۸ ص ۳۶۱ نیز دیکھئے ابوداؤد جلد ۳۳ ص ۳۳۳ کا حاشیہ (۱) ۲۔ مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد ۴ ص ۱۵۱ ۳۔ منہج تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو بخاری جلد ۳ ص ۱۹۴ حاشیہ (۶) ۴۔ ترمذی جلد ۳ ص ۱۵۱ بذل الجہود ۵۔ فیض الباری لکھنؤ جلد ۲ ص ۳۹۱، مرقاة لعلى القاری ص ۱۶۱، مشکوٰۃ المصابیح جلد ۳ ص ۲۲۴ حاشیہ، ماخوذ لغات، تنظیم الامتات جلد ۴ ص ۲۱۱۔

علیہ السلام کے عموم و اشتراک اور اجمال کو ابتداءً فقہ کیلئے استعمال نہ کر سکیں تو اس مقصد کو الفاظ مذکورہ کی روشنی میں مع مسئلہ شہر فرمائیے۔

جواب سوال ۹ :- (الف) اعراب کیلئے ملاحظہ ہو جلد ۱

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میں تمہارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث (قولی یا فعلی، تقریری یا خبری) بیان کروں تو اس کے وہی معنی مراد لو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تقویٰ و ورع (نیز شان نبوت و رسالت) کے شایان شان ہو (اور اہل ذریعہ و ضلال کی طرح اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش مت کرو)۔

(ب)۔ اُھنی، افعل کے وزن پر ہذا بیہنی ضی پر عافیت و مبارک ہو نا یعنی بہت زیادہ مبارک معنی اھدی، ہدی بیہدی ضی را ہنمائی کرنا بہت زیادہ اچھے معنی۔

اتقی، تقی بتقی ضی پر ہمیز کرنا بہت زیادہ محتاط معنی۔

(ج)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تشدید ہے کہ فرق باطلہ کی طرح حدیث کے عموم و اشتراک نیز اجمال سے ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ اور ان کے وہی معنی مراد لو جو جہاں شریعت اسلامی کی کلیات و جزئیات اور اس کے اصول و فروع کے عین مطابق ہو وہیں ان معنی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال فقاہت و ذکاوت معانی و استنباط کے ذخائر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تقدس جھلکتا ہو آپ کے اقوال کے ایسے معنی مراد لینا جو شریعت اسلامی سے مقصود مخرج اسلام کے مخالف اور حکمت و دانشمندی سے خالی ہو قطعاً درست نہیں نیز اقوال رسول اللہ ص کے عموم و اشتراک اور اجمال کے موقع پر آپ کی پوری حیات مبارکہ اور تعلیمات نبوی ہی کی روشنی میں ان کے معنی کی تعیین کی جائیگی کیونکہ بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مطلق کو دوسری جگہ مقید ایک مشترک کو دوسری جگہ مؤول اور ایک مجمل کو دوسری جگہ مفسر بیان کیا ہے لیکن یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ہر جگہ آپ اپنے قول ہی سے ان کی وضاحت فرمائیں بلکہ بسا اوقات آپ عموم و اشتراک اور اجمال کو اپنے افعال اور تقریرات سے بھی مقید۔ مؤول اور مفسر فرماتے ہیں۔ اسلئے ان کے معنی کی تعیین کیلئے آپ کی پوری حیات مبارکہ اور آپ کی تعلیمات نبوی کا عمیق مطالعہ ضروری ہے۔ اب ذیل میں تینوں کی وہ مثالیں قلمبند کی جاتی ہیں جن سے گزرا لوگوں نے وہ معنی مراد لئے جو مزاج اسلام اور دوسری نصوص صریحہ کے عین مخالف ہیں۔

عموم کی مثال:

”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ“

اس حدیث کے غور سے مزید یہ مطلب نکالا کہ ایمان فقط فعلی باللسان ہے اس کے اقرار کے بعد اعمال صالحہ کی منفعت اور اعمال خبیثہ کی مفسرت لائی کوئی حقیقت نہیں اور ایسا اقرار کرنے کے بعد انسان جنت کا مستحق ہوگا چاہے عمر بھر گناہ کبیرہ اور معاصی میں ملوث رہے۔ اس کے برخلاف خواجہ و معتزلہ لا ایمان۔ لیس منا۔ لاسہم فی الاسلام جیسے حدیث کے غموم سے مترکب کبیرہ کو قطعاً کافر اور مرتد قرار دیتے ہیں۔

اشتراک کی مثال:

”مَنْ كُنْتُ مَوْلَا هَ فَعَلَى مَوْلَا هَ“ (ترمذی)۔

امام جزیری رحمۃ اللہ علیہ نہایہ میں فرماتے ہیں کہ لغت میں مولیٰ کے متعدد و مختلف معنی آئے ہیں، ذیل میں وہ معنی نقل کئے جاتے ہیں:-

(۱) رب (۲) مالک (۳) سید (۴) منعم (۵) معق (۶) ناصر (۷) محب (۸) تابع (۹) جار (۱۰) ابن (۱۱) الع (۱۲) حلیف (۱۳) عقید (۱۴) صہر (۱۵) عبد (۱۶) معق (۱۷) منعم علیہ۔
اتنے کثیر معنی پائے جانے کی بنا پر علامہ حق نے پوری شریعت اسلامیہ اور اس کی کلیات و جزئیات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے یہ معنی بیان کئے کہ ”اگر میں کسی کو دوست بناؤں اور کسی سے محبت کروں تو علی رضا بھی میری اتباع و محبت میں اسے دوست بنالیں گے اور اس سے محبت کریں گے دوسرا مطلب یہ ہے کہ ”جو مجھے دوست بنائے گا علی رضا اسے دوست بنائیں گے“ تو اس طرح یہ لفظ محب اور حلیف کے معنی کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا۔ لیکن شیعوں نے اپنی موردنی خواہش کا ثبوت دیتے ہوئے اس کے اشتراک کو فتنہ کے طور پر استعمال کیا اور یہ معنی بیان کئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن امور میں تصرف کا حق ہے علی بھی ان میں تصرف کے برابر مستحق ہیں اور امور مسلمین اسی تصرف کے تحت آتے ہیں لہذا وہ ہی ان کے بلا فصل امام ہوئے اس طرح انھوں نے مالک، سید، رب کے معنی کیساتھ ترجمہ کیا جو قطعاً ایک بہتان ہے۔

نہ دیکھئے تحفۃ الاوزاری المبارکفوری جلد رابع ص ۳۲۶ لے مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ترمذی جلد ثانی ص ۲۱۲ مشکوٰۃ المصابیح جلد ثانی ص ۵۶ نیز مرقاة المفاتیح علی القاری جلد ۵ ص ۵۳۔ تحفۃ الاوزاری جلد رابع ص ۳۲۶ اور اس حدیث کے طرق کیلئے دیکھئے فتح الباری شرح بخاری للعلانی جلد ہفتم ص ۶۱۔

اجمال کی مثال :-

”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلي رضي الله عنه انت مني بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدي“ (متفق عليه)۔

اس حدیث کے اجمال سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے روافض امامیہ اور شیعوں نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے بطلان پر استدلال کیا ہے اور کہا کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی علانیہ وصیت کی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ و نائب مقرر کیا لہذا حدیث کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی بلا فصل خلافت و امامت کے زیادہ مستحق ہیں۔

ہمارے علماء حق نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس حدیث کے اجمال سے شیعوں کا استدلال ایک طرف مغالطہ ہے کیونکہ اپنی عدم موجودگی میں کسی کو نائب اور کارگزار خلیفہ بنادینا اگر خلافت کبریٰ کی دلیل ہے تو حضرت ابن ام مکتوم اور دوسرے صحابہ کو بھی خلافت کبریٰ ملنی چاہیے کیونکہ انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ایسا عارضی نائب و خلیفہ بنایا ہے لیکن اس کا کوئی قائل نہیں۔

اور جہاں تک حضرت علی کو حضرت ہارون سے تشبیہ دینے کی فضیلت کا سوال ہے تو آپ نے اس سے پہلے حضرت صدیق اکبر کو حضرت ابراہیم و حضرت عیسیٰ کیساتھ اور حضرت عمر کو حضرت موسیٰ و حضرت نوح کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ حضرت ہارون سے تشبیہ دینے سے زیادہ بالا و برتر ہے۔

اس حدیث کی تفصیل آگے بھی آ رہی ہے۔

سوال نمبر ۱ :- عن ابی ہریرۃ رضی عنہ عن النبی صلی اللہ وسلم اِنَّہٗ قَالَ لَا اَعْرِضُ مَا یُحَدِّثُ اَعْدَاکُمْ عَنْیَ الْحَدِیثَ وَهُوَ مُنْکَرٌ عَلٰی اُرْسِلَتْہُمْ فِیْقُولُ اَخْبِرْ اِلٰی قَوْمَا مَا قِیْلَ

۱۔ تفصیل سلسلہ ملاحظہ ہو فقاری جلد اول ۵۲۱ کا حاشیہ ۲، مسلم شریف جلد ثانی ۲۸۸ کی شرح نووی، ترمذی جلد ثانی ۲۱۲، مشکوٰۃ المصابیح جلد ثانی ۵۶۳ نیز اس سلسلہ کی شروحات دیکھئے فتح الباری، المستطانی جلد ہفتم ص ۶۰ سیرت مصطفیٰ لکھنؤ ص ۱۰۱ جلد ۲، غزوہ تبوک، فیض الباری الکشمیری جلد چہارم ص ۶۹، تہذیب الاحوذی شرح ترمذی لکھنؤ ص ۱۰۱ جلد ۲، ۸۲۸، ۸۲۹، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح لعلی القاری جلد پنجم ص ۱۰۱ مطبوعہ بمبئی، المکتب الذری للشیخ المسلموی رحمۃ اللہ علیہ جلد ثانی ۲۵۰۔

مِنْ قَوْلِ حَسَنِ فَأَنَا قُلْتُ:

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیر ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ ”ما قیل من قول حسن“ کی قابل قبول تشریح کیجئے۔

(ج)۔ ”منکی علی اریکته“ کی غامض طور پر وضاحت کیجئے۔

جواب سوال نمبر ۱۔ (الف)۔ اعراب کیلئے ۳ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خبردار) میں یہ سنوں کہ تم میں سے کوئی میری حدیث بیان کرے اور (سامع)

تخت پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہو اور وہ (حدیث سن کر نہ صرف اسکی جانب متوجہ نہ ہو بلکہ ناقابل تہیہ

سے الثانیوں) کہے کہ صرف قرآن پڑھو (اگر یہ حدیث قرآن کے مطابق ہوئی تو مانیں گے ورنہ

نہیں نیز) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عمدہ بات کہی جائے تو (سمجھ لو کہ) اس کو میں نے

ہی کہا ہے (اسلئے) اس شخص کو چاہیے کہ اپنے اس نامناسب رویہ سے تیسرے عمدہ قول کی تکذیب کیے۔

(ب)۔ شیخ عبدالحی محمد ذی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کی تفسیر فرماتے ہیں ”اھی ما نقل عنی

من قول حسن فالقائل انما یعنی میری جانب سے جو عمدہ بات کہی جائے تو اس کو یقیناً میں

نے ہی کہا ہے“

فرمان رسول اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جب سنا تو والا ایسی بات بتا رہا ہے جو تمام ادیان و محرفہ سے

بیزاری خدایہ رستی توحید نزار کا ان اسلام کی تشریح سے متعلق ہے اور اس میں انکار فاسدہ اور ہام

باطلہ اور کفر و شرک کا شائبہ تک نہیں اور اس کے مضمون و مفہوم سے شان نبوت کا انداز اور

اس کی عبارت و الفاظ سے معیار رسالت کا تقدس جھلکتا ہے تو اس کی تصدیق میں پس و پیش کرنا

تذنب و تردد کا شکار ہونا اس کو قرآن کے خلاف سمجھنا عیش پرستیوں کی فہمیں اور گمراہیوں کا

کام ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جب ایک بات صحیح سند سے ثابت ہو رہی

ہے تو یقیناً وہ اپنے حسن معانی حقائق ایمانی اور لائانی تعلیمات و ارشادات میں اپنی مثال آپ

ہوگی اور قرآن سے اس کے تعارض کا سوال ہی نہیں، تمنا کیوں کہ قرآن اپنے منفرد و ممتاز معیار

کی بنا پر جس چیز کو اعلیٰ و ارفع اور حسن معانی میں لائانی و لائانی ٹھہرائے گا تو اس معیار قرآنی

لے دیکھئے ابن ماجہ شریف جلد اول ص۔

کی تمام صفات حسنہ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وارشادات میں بدرجہ اتم موجود ہوں گی۔ حضرت امام ازہری رحمۃ اللہ علیہ اس کے ذیل میں ایک مسئلہ کا استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وفیه دلیل علی انه لاحاجة بالحديث الی ان یعرض علی الکتاب وانه مهمماثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان حجة بنفسه“

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے ابہام و اجمال کی جو تشریح اور توضیح فرمائی ہے اس کے قرآن سے متعارض ہونیکا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسلئے وہ بذات خود حجت قطعی اور دلیل شرعی ہے اور جہاں اس کا بظاہر تعارض نظر آئے تو وہ فی الحقیقت تعارض و تضاد نہیں بلکہ وہ ہمارے ذہنوں کا فساد اور ہماری عقلوں کا خلجان ہے۔

بعض اہل علم حضرات نے ”ما قیل من قولی حسن فاننا قلنہ“ کو ’متکی‘ کا قول قرار دیا ہے تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ”متکی علی اریکتہ“ یہ کہہ رہا ہے کہ اس حدیث کو قرآن کی روشنی اور اس کی اصولیات کے آئینہ میں جانچو اور پرکھو قرآن کی رو سے جو بات عمدہ اور صحیح سمجھی میں بھی اتنے تسلیم کروں گا تو گویا کہ یہ شخص حجیت حدیث کی ایک حد تک تردید و نفی کر رہا ہے اسی لئے قابل مذمت ہے اور اسی کے پیش نظر امام ازہری نے یہ نصیحت کی ”لاتناظر بکتاب اللہ و لایسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

(ج)۔ ”متکی علی اریکتہ“

اس کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے محشی شرح السنہ فرماتے ہیں ”المرویہ ویقال لایسعی اریکتہ حتی یکون فی حجة“

امام ازہری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں ”کل ما اتکی علیہ فهو اریکتہ و اراد بھذہ الصفة اصحاب التوفہ والدعة الذین لیسوا بالبویہ وقد عدوا عن طلب العلم“ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس تمثیل کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ”امی متکناً وجالساً علیہا وفیہ تاکید لحیاقۃ القائل وبطوۃ وسوء ادبہ“

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں ”المراہ بھذہ الصفة التوفہ والدعة کما هو عادة المتکبر المتعبر القلیل الاحتام باسم الدین“

لے ملاحظہ ہو شرح السنہ جلد اول ص ۲ مطبوعہ سعودی عرب لے دیکھئے شرح السنہ جلد اول ص ۲ لے ایضاً لے مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد اول ص ۱۹۵

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان مذکورہ تمام معانی و مطالب کو محض ایک جملہ میں ادا کر دیا ہے فرماتے ہیں ”ہذا الإشارة الى تكبره ونخوته“

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے منکرین حدیث کی جانب ایک لطیف اشارہ ہے علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ان کی دقت نظر اور شانِ نقاہت کا ایک عظیم نمونہ ہے۔

سوال ۱۱۱: عن ابن عباس رضي يقول انا كنا نحفظ الحديث والحديث يحفظ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فاما اذا ركبتم الصعب والذلول ففهيها.

(الف)۔ اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ خط کشیدہ الفاظ کی لغوی و اصطلاحی تشریح کیجئے۔

(ج)۔ ترجمہ الباب ”باب الترتی فی الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم“ سے مناسبت ظاہر کرنے کے بعد بتلائیے کہ یہ حدیث عنہ رسالت میں احادیث کے بارے میں کس قسم کی احتیاط کا پتہ دے رہی ہے؟

(د)۔ اس روایت سے کوئی مسئلہ مستنبط کر کے دکھلائیے۔

جواب سوال ۱۱۱: اعراب کیلئے ملاحظہ کیجئے صفحہ ۱۷۴ (۳۷)

(الف)۔ حضرت ابن عباس رضی فرماتے ہیں کہ (عنہ رسالت میں) ہم حدیث یاد کیا کرتے تھے اور حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یاد کیا کرتے تھے لیکن جب سے تم لوگ ہر اچھی بری پر سواری کرنے لگے (اور) ہر قسم کی ضعیف و منکر حدیث بیان کرنے لگے (تم سے اور ان حدیثوں سے ہڈوری ہی بہتر) ہے کیوں کہ ان روایتوں کی تصدیق یا تکذیب دونوں ہی خطرناک ہیں۔

(ب)۔ الفاظ لغوی معنی اصطلاحی معنی
الصعب خراب اور قابل نفرت اور بے بنیاد اور ناکارہ شئی
الذلول ہلکا اور ناکارہ شئی

لے بڑا لہجہ و شرح ابی داؤد و جلد پنجم علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق تلاش اور جستجو کے باوجود احقر کو کہیں نہیں مل سکی لیکن اس حدیث کے ذیل میں استاذ محترم نے جو حقائق اور ان درس فرمائی تھی احقر کو وہی تحفہ اور اسی یادداشت کی بنا پر یہ تحقیق قلمبند کر دی ہے لیکن آئیے ساتھ ساتھ اس سطور کا خیال یہ کہ علامہ کی تحقیق نابالغ ابن ماجہ کے اس نسخہ میں موجود ہوگی جس پر علامہ نے حاشیہ چڑھایا تھا اور جواب نایاب ہے اس حدیث کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے مسند امام احمد ۱/۶۸۱ ترمذی کتاب العلم ص ۱۹۵ سنن دارمی اول ۱۲۷، الرسالة للامام الشافعی ص ۲۹۵۔

الذلول عمدہ اور پرہیزگار اور بہترین چیز
ہیہات بتلیث الانراسم فعل ہے مایوسی اور استبعاد کے وقت بولا جاتا ہے۔
یعنی جب حالات اتنے خراب ہو گئے تو سنبھلنے کی امید تو بہت کم ہے اسلئے ان سے دوری ہی
بہتر ہے تاکہ کسی فتنہ میں اپنا دامن تو ملوث نہ ہو۔

(ج)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمۃ نے یہ حدیث ”باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم“ کے تحت ذکر کی ہے ترجمہ اور حدیث باب میں مطابقت ظاہر ہے کہ فرما
رسول اور اقوال نبی کے سلسلے میں بے حد محتاط رویہ اپنانا چاہیے نیز ”من یقل علی ما لم یقل
فلیتبرأ مقعدہ من النار“ کے پیش نظر صرف وہی احادیث بیان کی جائیں جو بہت اچھی طرح
محفوظ و ازبر ہوں اور ان احادیث کی تحدیث و تشہیر سے احتیاط و پرہیز اور بالکل اجتناب
کیا جائے جن میں ذرا بھی شک و شبہ اور تردد پایا جاتا ہو تو درج بالا حدیث میں ”اذا رکتہم
الصعب والذلول فہیہات“ ہی ترجمۃ الباب ہے اور اس جملہ سے حضرت ابن عباس
لوگوں کو فتنہ کرنے کے ساتھ ساتھ احتیاط فی الحدیث پر ابھار رہے ہیں اور توقی فی الحدیث
کی تلقین کر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی کی یہ روایت بتا رہی ہے کہ عہد رسالت میں احادیث کو یاد کر نیک اہتمام تھا
اور صحابہ کرام رضی عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپکے اقوال اور آپکی دعاؤں نصیحتوں اور دعاؤں
کو باقاعدہ طور سے یاد کیا کرتے تھے اور آپکے قیمتی فرمودات کو سننے انہیں اپنے دل و دماغ
میں بسانے نیز انہیں حیطہ ضبط میں قید کرنے کیلئے پیچیں رہا کرتے تھے تو کثرت حدیث کے
ساتھ ساتھ تدوین حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ دل و دماغ اور سینوں میں منتقل و محفوظ کیا جا رہا
تھا تاکہ قرآن کے ممیز ہونے کے بعد فوراً کتابت حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا جائے اور
سینوں کے علم کو سفینوں کے ذریعہ تمام عالم میں پھیلا دیا جائے اسی غرض سے احادیث
محفوظ کی جا رہی تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی کی روایت میں یہ احتیاط بھی نمایاں نظر آ رہی ہے کہ عہد رسالت میں جو
بات و قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہوتا صحابہ اس سلسلے میں براہ راست
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کرتے اور اس کی تحقیق و تفتیش کرتے اور دربار رسالت کے
حقیقت ظاہر ہونے کے بعد اس حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یاد کرتے کہ کہیں

شرح الازدواج

۳۹

مصباح الزجاجة

”من كذب على متعمداً ألقه“ کا مصداق نہ ہو جائیں۔

(د)۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ مسلمانوں کو سنی باتوں کا یقین نہیں کرنا چاہیے اور صاحب معاملہ سے حقیقت حال اور مسئلہ کی نوعیت کی بابت استفسار کرنا چاہیے قرآن کریم بھی اس آیت سے اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

”یا ایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا“

اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی باتوں پر نظر التفات بھی نہیں کیا جائے جو کفری بالبرء کذباً ان یحدث بکل ماسع“ کے حقیقی مصداق ہیں اور کسی تحقیق و جستجو کی انکو کوئی فکر نہیں۔ نیز اس امر کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ اگر صاحب معاملہ موجود نہ ہو تو اس میں توقف لازم ہے ابن عباس یہی طریقہ اختیار کر رہے ہیں۔

سوال ۱۲: عن قرظہ بن کعب رضی قال بعثنا عمر بن الخطاب إلى الكوفة وشيعنا فمشى معنا إلى موضع يقال له صرار فقال أتدرون لِمَ مَشِيتُ مَعَكُمْ قَالَ قُلْنَا لِحَقِّ صُحْبَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحَقِّ الْأَنْصَارِ قَالَ وَالْكُفَى مَشِيتُ مَعَكُمْ لِحَدِيثِ أَرَدْتُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ بِهِ فَأَرَدْتُ أَنْ تَحْفَظُوا لِمَسْأَلِي مَعَكُمْ إِنْ تَقْدُمُونَ عَلَى قَوْمٍ لِلْقُرْآنِ فِي صُدُورِهِمْ هَزْنٌ كَهَزْنِ الرِّجْلِ فَإِذَا رَأَوْكُمْ مَدُّوا إِلَيْكُمْ أَعْنَاقَهُمْ وَقَالُوا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ فَأَقْبَلُوا الرِّوَايَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أُنْشَأَ رِيبُكُمْ۔

(الف)۔ اعراب لگا کر ترجمہ کرنے کے بعد بتائیں کہ کثرت روایت اچھی ہے یا قلت روایت نیز خلفاء راشدین قلیل الروایہ تھے یا کثیر الروایہ؟

(ب)۔ خط کشیدہ الفاظ کی ایسی تشریح کیجئے جس سے مراد متکلم واضح ہو جائے نیز ترجمہ الباب باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ ص سے حدیث باب کی مناسبت بیان کیجئے۔

(ج)۔ علم کی تبلیغ اور اس کی اشاعت ضروری ہے اور کتمان علم ناجائز ہے تو پھر حضرت عمر رضی عنہ نے تقلیل حدیث کا حکم کیوں دیا مصنف کے ترجمہ الباب سے کیا توجیہ معلوم ہوتی ہے؟

جواب سوال ۱۲:۔ (الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔

حضرت قرظہ بن کعب روایت کرتے ہیں کہ ہم کو عمر بن خطاب رضی عنہ نے (ایک مرتبہ) کوفہ بھیجا جب ہم کوفہ کیلئے روانہ ہوئے تو عمر رضی عنہ مقام صرار تک ہمیں رخصت کرنے آئے پھر (یہاں پہنچ کر)

فرمایا تم ہانت ہو کہ میں ہمارے ساتھ آیا ہوں، ابن کعب کہتے ہیں کہ ہم نے (ان سے کہا) کہ سلف و زلی الشریعہ وسلم کی صحبت اور اندازے قیامیہ سے (نابا آپ یہاں تک ہمیں چھوڑنے آئے ہیں) حضرت عمرؓ نے کہا (ہاں یہ وجہ یہی ہے) لیکن (اس وقت دراصل) ایک (اور اہم بات) کی بنا پر میں تمہارے ساتھ (یہاں تک) آیا ہوں جس کو (اب) میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم میرے اپنے ساتھ چل آئے گی وجہ سے (اس بات کو) یاد رکھو کہ (تو منور غنقریب تم ایسی قوم کے پاس پہنچو گے جن کے دلوں میں قرآن رساں کرنے (کھولتی) ہانڈی کی آواز کی مانند خوش اور دلولہ ہڈگا جب وہ تمہیں دیکھیں گے تو (فطر محبت و عقیدت سے) تمہاری جانب گردنیں بڑھائیں گے اور (خوشی سے) تباہ ہو کر کہیں گے محمدؐ کے صحابہ (محمدؐ کے صحابہ) تو (اس وقت میری یہ نصیحت یاد رہے کہ ان سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کم (سے کم) بیان کرنا (قلت روایت کے سلسلہ میں میں تمہارا (برادر کا) شریک ہوں۔

جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ قلت روایت و کثرت روایت میں کون سی زیادہ بہتر اور لائق عمل ہے تو یہ ایک مشکل مسئلہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں ایک دم فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اسلئے اگر قلت روایت کو رائج اور بہتر قرار دیا جائے تو کمترین صحابہ کے رویہ کا کیا تاویل کی جائے گی اور اگر کثرت روایت پر ترجیح کا اطلاق کیا جائے تو صحابہ کی اکثریت کے رویہ کی کیا توجیہ ہوگی جو قلت روایت پر سختی سے عمل پیرا ہے اور جس میں بڑے بڑے جلیل القدر بدری واحدی صحابہ بھی شامل ہیں۔

اسلئے صحیح بات یہی کہ قلت و کثرت کا رائج مرجوح افضل اور مفضل ہونا یا ردی کے اپنے اپنے حالات و کیفیات مصلحت و حکمت اور زمانے کے تقاضوں پر موقوف ہے اگر راوی اپنے دل و دماغ قوت حفظ و ضبط پر بختہ اعتماد اور بھروسہ کر سکتا ہے اور وہ بغیر کسی تردد و تذبذب کے یقین کیساتھ تحدیث روایت پر قادر ہے نیز زمانہ کے حالات بھی اشاعت علم و اظہار احادیث کا تقاضا کر رہے ہیں تو اس کے حق میں کثرت روایت ہی بہتر رائج اور افضل ہوگی تاکہ امت محمدی انوار رسالت و برکات نبوت سے منور و معطر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار نبوت سے لبریز نیز معانی خیر کلام سے فیضیاب ہو سکے اور ان تعلیمات کو اپنے زندگیوں میں اتار لے حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے انھیں احساسات و جذبات کے پیش نظر ان الذین

شرح اردو ابن ماجہ

۲۱

مصحح الزحاجہ

یکمتر من ما اقلنا من البیئات والهدی " نیز حدیث " من سئل عن علم یحیہ فاعلم
 الجسم یزعم القیامۃ بلجام من النار " اور اس جیسی دیگر وعیدوں سے ڈر کر کثرتِ ایت
 ہی کو افضل اور رائج سمجھ کر اختیار کیا اور "بلغوا عنی" نیز "الا فلیبلغ الشاهد الغائب"
 کی عائد کردہ ذمہ داری شاندار طریقہ پر انجام دے کر احادیث کا بیش بہا ذخیرہ درج
 ذیل حضرات صحابہ نے بے کم و کاست ملت کے سپرد کر دیا۔

اسماء گرامی حضرات صحابہ رضہ

تعداد روایت

حضرت ابوہریرہ رضہ	۵۰۰۰
حضرت عبداللہ بن عباس رضہ	۲۶۶۰
حضرت عائشہ صدیقہ رضہ	۲۲۱۰
حضرت عبداللہ بن عمر رضہ	۱۶۳۰
حضرت جابر بن عبداللہ رضہ	۱۵۶۰
حضرت انس بن مالک رضہ	۱۲۸۶
حضرت ابوسعید خدری رضہ	۱۱۴۰

ذرا سوچئے تو سہی اگر یہ مکثرین صحابہ اور شمع محمدی کے پروانے قلت روایت پر عمل کرتے اور
 نور ہدایت و معرفت سے لبریز ذخیرہ حدیث کو اپنے ساتھ لیکر برزخ منتقل ہو جاتے تو امت
 محرومہ اور دعوتی دنیا کا کیسا ناقابل تلافی نقصان ہوتا اور وہ ہزاروں احادیث کے بیش بہا
 تحفے سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاتی۔ لیکن اگر راوی کو اپنے قوت حفظ پر بھروسہ اور اعتماد تو ہے
 لیکن غلطی اور سهو و زلت کا امکان بھی دامن گیر ہے اور زمانے کی علمی غفلت اور نت نئے
 فتنے تحدیث روایت کی اجازت نہیں دیتے تو اس کے حق میں قلت روایت ہی بہتر رائج
 اور افضل ہے۔

حضرات صحابہ باوجود اس بات کے کہ حفظ و ضبط کے پہاڑ تھے اور وہ اپنے نہیں اپنے اعزہ
 اقرباء اور دیگر قبائل کے نہیں بلکہ اونٹوں اور گھوڑوں تک کہ کئی کئی پشتوں کے نسب نامے
 با آسانی یاد رکھتے تھے اور دنیا اس پر متفق ہے کہ عربوں کی طرح سینوں اور دماغوں کی اتنی
 مضبوط اور کشادہ قوم آج تک روئے زمین پر پیدا نہ ہو سکی لیکن اتنی عظیم یادداشتیں ہونے
 کے باوجود صحابہ کی ایک زبردست اکثریت قلت روایت پر عامل رہی ہے اور علامہ سید

اور شاہ کشمیری کے بقول انھوں نے صرف وہی احادیث روایت کی ہیں جنہیں بے حقیقت نہیں
یا ان کی ضرورت شدیدہ ہی آپڑی تھی یا پھر جن امور کی تبلیغ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
انھیں وصیت کی تھی اور ان روایت کی تحدیث میں بھی ان کی حالت اتنی غیر ہو گئی کہ انہیں دبا
گئے ہیں انہیں پھول گئیں بدن تھرا گیا کہ کہیں "من کذب علی متعمدا فلیتبرأ" "قعده من
الدن" "من یقل علی ما لم اقل" جیسی خطرناک وعیدوں کے ہم مصداق نہ بن جائیں اور
سیرت مکتوں پر پانی نہ پھیر جائے۔

یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین جنھوں نے ایک طویل مدت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ
میں گزاری ہے اور جو فی نفسہ اکثر الروایہ ہیں لیکن اسی غایت احتیاط اور تقویٰ کی بنا پر انھوں نے
احادیث کو بہت کم اور بے پناہ ضرورت کے موقع پر ہی بیان کیا ہے اسی لئے ان کا شمار علم حدیث
میں فیل الروایہ صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔

اس تشریح کے بعد یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ قلت روایت کو کثرت روایت پر یک گونہ فو قیت فضیلت حاصل
ہے کیونکہ ایک کثرۃ الحدیث معنی کے پیش نظر کثر صحابہ کا وہی طرز عمل اور قلت میں کثرت کے مقابلہ میں خطا
سہولت اور وعید کا مصداق بننے کا امکان بھی بہت کم ہے۔

(ب)۔ مدوا الیکم اعناقہم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا منشا یہ ہے کہ وہ قوم نئی نئی اسلام میں داخل ہوئی ہے اور
اس وقت اسی پر اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت و محبت اور آپ کی عظمت و عظمت اور عشق نبوی کا
ایک فطری اور پر کیف نشہ سوار ہے وہ ہر اس چیز کی طالب تہمتی اور حاصل کرنے کی آرزو مند
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اور آپ کی جانب منسوب ہو تو جب وہ تمہیں دیکھیں گے تو
تمہاری صحابیت اور بزرگی کی بناء اور زیادہ جوش و خروش اور اسلامی ولولہ ان کے اندر
پیدا ہوگا اور وہ تمہاری زیارت کیلئے دیوانہ وار تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور تمہاری ہر بات کو
تجسس و رغبت سے سنیں گے کیوں کہ انھیں عہد رسالت کا دور تو ملا نہیں اسلئے اس دور کے
تمام صحابہ کرام ہی کو وہ سب کچھ سمجھیں گے اور تمہاری صحبت مبارکہ کو ایک نعمت عظمیٰ اور
امتیازی شان تصور کریں گے۔

فاقلوا الروایۃ

تو اسے وقت تم میری نصیحت یاد رکھنا کہ اس کے اس جوش و ولولہ کو دیکھ کر کثرت روایت کا شکار

نہ ہو گا اور سبے دھڑک روایات کی تحدیث نہ کرنا قلت روایت کے اس حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تین مقاصد ہیں۔

ایک تو یہ کہ اس قوم میں پیغمبر اسلام اور احادیث شریفہ کی محبت اور دینی جوش و خروش بہت زیادہ ہے تو اگر تم کثرت تحدیث سے کام لو گے تو ان کے نزدیک احادیث شریفہ کی کثرت و بہتت کی صورت میں اس کی اہمیت و درجہ میں کمی واقع ہوگی اور حدیث جیسی قیمتی اور نایاب چیز ایک عام شئی بن جائے گی کیونکہ ایک چیز کی جب بہتت و کثرت ہوتی ہے تو قدرتی طور پر انسانوں کی نظروں میں اس کی قدر و منزلت میں کمی واقع ہو جاتی ہے تو اسلئے تم کثرت تحدیث سے اس قوم کے نزدیک احادیث کی اہمیت میں کمی اور اس کی محبت اسلام میں کوتاہی کا سبب نہ بن جانا۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ ابھی علوم قرآن اور اس کی تحصیل میں منہمک ہے اور اس کیلئے میں بھی یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ فی الحال قرآن ہی کی جانب متوجہ رہے تاکہ اپنے پروردگار کے پیغام اور اس کے عالم کردہ فرائض سے واقف ہو سکے تو اگر تم ایسے وقت میں پیغمبر علیہ السلام کی احادیث شریفہ اس سے بیان کرنے لگو گے تو وہ ان احادیث ہی کی جانب جھک پڑے گی اور قرآن کو پس پشت ڈال دے گی اور یہ کثرت روایت قرآن سے اس کی غفلت کا سبب بن جائے گی اسلئے اس ایسے مقامات پر ہی احادیث سننا جہاں قرآن کے مشکل مقام کی وضاحت کی ضرورت پیش آجائے تاکہ قرآن کے سلسلے میں اس کا جوش و ولولہ قائم رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تیسرا مقصد یہ ہے کہ وہ قوم ابھی حال ہی میں ایمان لائی ہے اور ابھی اس کی مکمل تربیت بھی نہیں ہو سکی ہے اسلئے وہ اسلام کے اصول و مبادیات اور مزاج شریعت سے ناواقف ہے تو ممکن ہے کہ تمہاری کثرت تحدیث اسے ہضم نہ ہو سکے اور وہ احادیث کے معنی کچھ سے کچھ سمجھ کر فتنہ و آزمائش میں مبتلا ہو جائے تو وہاں تم کثرت تحدیث سے گریز کرنا اور اگر بوقت ضرورت احادیث سناؤ تو ایسی احادیث سننا جو واضح اور معلوم السبب ہوں گے ساتھ ساتھ محکم ہوں مثلاً بہات میں سے نہ ہوں اور جن کے معنی مراد لینے میں کسی قسم کی کوئی خاص محنت شاقہ اور دماغ سے کام لینا نہ پڑتا ہو۔

ہماری اس تشریح کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علامہ سید انور شاہ کشمیری نے بیہقی کے حوالہ سے "فاخلوا الروایۃ" کے بجائے "فاصحوا الروایۃ" کے الفاظ نقل کئے ہیں جو اس مقصد پر صریح دلالت کر رہے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ مقاصد میں حضرت کے ذوق اور مزاج کے پیش نظر مؤخر الذکر دو مقاصد زیادہ رائج ہیں۔

ثم انا شريككم

کیونکہ میرا طریقہ قلت روایت ہی ہے اور میں فی الحال اسی کو تمہارے اور اس قوم کے حق میں بہتر سمجھتا ہوں اس کی تلقین و تاکید کر رہا ہوں تو اگر تم نے میری نصیحت پر عمل کیا اور قلت روایت کو فی الحال کثرت روایت پر فوقیت دی تو تم نے گویا میری اتباع کی اور قلت روایت میں میں اور تم برابر کے شریک ہو گے۔

حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے اس روایت کو ”باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کے تحت اسی لئے ذکر کیا ہے کہ اس میں تحدیث کے باریکین احتیاط و اہتمام کی تلقین ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جملہ ”فاقبلوا الروایة“ ہی ترجمۃ الباب ہے۔

(ج)۔ علم کی اشاعت و تبلیغ یقیناً ضروری اور کتمان علم واقعی ناجائز ہے لیکن دینی اور شرعی مصلحت و حکمت کی بنا پر محتاط رویہ اپنانا کتمان کے زمرہ میں نہیں آتا امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ صراحت کی ہے کہ کتمان علم جب ہی ہوگا جب کہ مسائل اسلام ارکان اسلام یا نماز کی ادائیگی کے طریقہ کی بابت دریافت کرے یا کسی چیز کے حرام و حلال، مکروہ اور مباح ہونے کے بارے میں استفسار کرے تو جواب نہ دینے کی صورت میں عالم دین اس وعید شدید کا مصداق ہوگا۔

امام سید رحمۃ اللہ علیہ نے مزید کہا کہ یہ کتمان علم کی وعیدیں علم ضروری اور اس علم سے متعلق ہیں جن کی عوام کو روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے رہا وہ علم جو عوام کیلئے غیر ضروری اور ان کی ذہنی سطح سے بہت بلند ہے تو اس کے کتمان کے بارے میں یہ وعیدیں نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی غیر ضروری علم سے متعلق روایات کی تحدیث سے اجتناب کرنا وصیت کی ہے اسلئے ان کے رویہ پر کوئی اشکال نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ صحابہ کرام کی جماعت علوم نبوی کی اشاعت اور تبلیغ اسلام ہی کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ روانہ فرما رہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ اصل مقصد و غرض و غایت ہی کو چھپانے کی تلقین کرنے لگیں اصل بات یہ ہے کہ یہاں آپ علوم نبوی کی اشاعت پر ابھارنے اور تبلیغی فریضہ انجام دینے کا جذبہ پیدا کرنے کیساتھ ایک احتیاطی پہلو کی جانب توجہ دلا رہے ہیں وہ یہ کہ تم مسائل ضروریہ اور نہ ضروریہ سے لوگوں کو خوب واقف کرانا اور سائلین

کے سوالوں کا اطمینان بخش جواب دینا لیکن اپنی اس گفتگو کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب نہ کرنا اگرچہ فی نفسہ وہ احادیث کے متون ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہاں بوقت ضرورت شدید منسوب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اسی میں خیر و عافیت ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ کتمان علم جب لازم آتا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تحدیث روایت اور بیان مسائل سے صراحتاً بالکلیہ روک دیتے اور کسی قسم کے علوم و مسائل کی تشہیر کی اجازت نہیں دیتے جب کہ روایت میں صرف قلت روایت کا تذکرہ ہے وہ بھی مصالح کے پیش نظر احتیاط پر مبنی ہے اور احتیاط اور کتمان کا کوئی تعلق نہیں۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ کے ترجمہ الباب سے یہ توجیہ معلوم ہوتی ہے کہ قلت روایت احتیاط اور تقویٰ کے زمرہ میں آئے گی اس پر کتمان علم کا اطلاق نہیں ہوگا اور توفی فی الحدیث نیز احتیاط کا یہی تقاضہ ہے کہ کثرت روایت سے اجتناب کیا جائے کیونکہ کثرت ہی خطا ہے۔

سوال ۱۲ :- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَىَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعِدَهُ مِنَ النَّارِ۔
(الف)۔ حدیث بالا پر اعراب لگا کر معنی خیر ترجمہ کیجئے اہل سنت کے نزدیک کذب کی تعریف نقل کرنے کے بعد معتزلہ کی رائے بھی قلمبند کیجئے۔

(ب)۔ کذب فی الحدیث پر مختصر مگر کافی کلام کیجئے اور اس سلسلے میں اہل سنت کا مسلک تحریر فرمائیے۔
(ج)۔ ترغیب و ترہیب کے طور پر جن لوگوں نے کذب فی الحدیث کو جائز کہا ہے ان کی نشاندہی کیجئے اور ان کے مذہب کا تعاقب کیجئے۔

(د)۔ اگر کسی کے بارے میں کذب فی الحدیث ثابت ہو جائے تو اس کا اور اس کی روایتوں کا کیا حکم ہے؟ مع اختلاف علماء لکھیے۔

جواب سوال ۱۳ :- (الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جان بوجہ کر میرے بارے میں جھوٹ بولے (اور کسی قول و فعل و صفت کو میری جانب سے غلط منسوب کرے) تو وہ (اس بدترین جرم کی پاداش میں) اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اہل سنت کی تعریف بیان کرتے ہوئے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری فرماتے ہیں :-

”اہل سنت کے نزدیک کذب (جھوٹ) خلاف واقعہ بات بیان کرنے کو کہتے ہیں خواہ عمدًا ہو یا سہوًا مگر چونکہ معمول چوک میں گناہ نہیں ہوتا اسلئے حدیث میں ”متعمداً“ کی قید بڑھائی گئی ہے۔ ”والکذب الاخبار عن الشئ علی غیر ما ہو علیہ وان لم یتعمد لکن التعمد شرط الاثم“ (فیض القدر جلد پنجم ص ۱)

اس کے برخلاف معتزلہ کذب کی تعریف کو عمدًا و متعمداً سے مقید کرنے پر مصر ہیں تو ان کے نزدیک تعریف کذب یہ ہوگی ”واقعہ کے خلاف جان بوجھ کر غلط خبر دینا“ اس صورت میں متعمداً کی قید اتفاتی نہیں بلکہ احترازی ہوگی۔

(ب)۔ اہم سابقہ کے حالات کا مطالعہ کرنے اور ان کی تاریخ پر غور و فکر کرنے نیز ان کے مزاج پر تحقیق کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح ہو جاتی ہے کہ ان کی روحانی مفلسی اخلاقی تباہی و بربادی اور علمی طور پر دیوالیہ ہونے میں جہاں ان کی غفلت و مدہوشی ذہانت و ذکاوت سے محرومی اور نفس پرستی نے اہم کردار ادا کیا ہے وہیں بدعات و خرافات انبیاء سے منسوب ترغیبی و ترہیبی جھوٹ نے بھی ان کی شریعت و دین پر جہالت و ضلالت کے دبیرہ پردے ڈال دیے ہیں اور اسی کی وجہ سے ضلالت و سرکشی کے گڑھوں کی جانب ان کے بڑھتے قدم مزید ہو گئے اور وہ بالآخر دنیا کے پردے سے ہٹا دی گئیں۔

عمداً و سہوً سے عہد اسلام تک جو قورسین بھی ہمیں گناہوں تاریک وادیوں اور ضلالت و سفاہت کے گڑھوں کی جانب تیز تیز قدموں سے بھاگتی نظر آتی ہیں ان سب میں قدرے مشترک اور مجموعی طور پر یہی نشہ برلا عنصر سراپت کے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آسمانی شریعت اور الہامی دین میں ترغیب و ترہیب جھوٹ کا بالکل انسداد نہ کیا جائے نہ سنت نبوی بدعات اور احداث فی الدین کو ممنوع قرار نہ دیا جائے اور چند عقل سے فارغ اندازوں کے خیال میں ترغیب و ترہیب کے باب میں جھوٹ کی کھلی بند و اجازت دیدی جائے تو کذب فی الحدیث کا دائرہ مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں اس طرح پھیلتا جائے گا کہ وہ خود ایک دین اور مذہب کی شکل اختیار کر لے گا اور وہ جہاں شریعت الہامی کی تحریف کا اچھا خاصا سامان فراہم کرے گا وہیں اس کے گرد و غبار سے اصل دین نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا۔

۴۷

اصلاح الزجاء

شرح اردو ابن ماجہ

نیز شخص نے حکمت و حالات کے پیش نظر اپنی ناقص اور شریعت سے نا آشنا محدود عقل سے حدیثیں گڑھنی شروع کر دیں اور جیسے جیسے حالات و تقاضے بدلتے رہے ایسی ہی یہ ام نہاد و انڈاپنی زبان و قلم میں تبدیلی پیدا کرتے رہے تو جلد ہی وہ وقت آئے گا کہ یہ دین متغیرانظر یا متغیارتخیلات اور افسانوں نیز جھوٹی کہانیوں کا ایک پلندہ بن کر رہ جائے گا اور اس کو مکمل نظام قرار دینے نیز دائمی دین ہونے کے دعوے سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت نے مذکورہ مذہب کی پر زور تردید کی اور ترغیبی و ترہیبی جھوٹ کو قطعاً حرام اور اکبر کبائر قرار دیا کیونکہ اس راسخ سے جہاں اسلام کی حفاظت خطرے میں پڑتی ہے وہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت بھی متاثر ہوتی ہے۔

اب درج بالا مضمون کو مندرجہ ذیل دلائل سے مدلل فرمائیے۔

• یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا معہ دقین۔

یہاں مطلقاً کذب بیانی سے احتراز اور صدق بیانی کی ترغیب دی گئی جس کی رو سے دین و شریعت میں کذب بیانی مطلقاً حرام ہے۔

• من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار۔

• من یقل علی ما لم یقل فلیتبوأ مقعده من النار۔

• انصدق بنبی واکذب بھاک۔

(ج)۔ ترغیب و ترہیب کے طور پر کذب فی الحدیث ائمہ کے دو گمراہ فرقوں روافض و کرامیہ کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ ضرورت وقت ایک مستحب امر ہے۔

شرح حدیث کا خیال ہے کہ حدیث میں وارد ہوئے لفظ "علی" سے ان فرقوں کو وہم اور دھوکہ ہوا ہے اور انہوں نے لفظ "علی" کو نقصان اضرار اور عداوت کے معنی میں متعین سمجھ کر ترغیب و ترہیب کے تمام ابواب میں وضع حدیث کا فتویٰ دیدیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ "علی" کو اضرار کیلئے متعین سمجھنا ان کی بد باطنی موروثی خباثت اور ذہنی فراست و فطانت سے محرومی کا نتیجہ ہے لہذا انہوں نے اسی پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہوئے کہا کہ لفظ "علی" سے اسی کذب کی ممانعت و حرمت ثابت ہوگی جو دین کیلئے ضرر و نقصان کا باعث و زادہ تر ہے و ترغیبی طور پر کذب اسلئے مستحسن ہے کیوں کہ اس کا مقصد افسانوں کو ذرا دھوکہ کر اور فضائل بیان کر کے دین سے قریب کرنا ہے لہذا ایسی تمام حدیثیں کذب سیئہ کے نہیں

بلکہ "کذب الہ" کے زمرہ میں آئیں گی۔
ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث "من کذب علی متعمداً" کے بعض طرق میں "لیبس
بد الناس" کا قرینہ موجود ہے لہذا ایسی تمام تصنیع احادیث اس زمرہ میں نہیں
آئیں گی جن کا مقصد "لیبسی بہ الناس" اور ترغیب اسلام ہے۔
حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پانپوری دلیل اول کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-
"اگر ان لوگوں کی یہ دلیل تسلیم کر لی جائے تو پھر تمام بدعات دین ہو جائیں گی
کیونکہ بدعتین دین کو نقصان پہنچانے کیلئے بدعات ایجاد نہیں کرتے بلکہ
اپنے زعم میں وہ ان بدعات کے ذریعہ دین کی تکمیل کرتے ہیں۔ اصل بات یہ
ہے کہ ہر غلط انتساب کذب علیہ کا محقق اس ہے اول اس طرح جب وضع کا
سلسلہ شروع ہو گا تو اس پر کوئی پابندی نہیں لگ سکے گی احکام میں بھی حد
وضع کی جائیں گی بلکہ کی گئی ہیں تاہم وضع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام
قائم کرے گا کہ آپ دین کی تمام باتیں نہیں بتائیں کچھ نہ لگی تھیں جسے یہ
واضعین مکمل کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ"

اور جہاں تک "غی" کے معنی کا سوال ہے تو حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث اور لغات عرب کیا یہ
جگہ منفعت و محبت کے معنی میں متعلیٰ ہے چند مثالیں درج فرمیں:-

۱- ان الله وملتكتة يصلون على النبي يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا
تسليماً - (قرآن)

۲- من صلى على صلوة واحدة صلى الله عليه عشر (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

۳- اللهم صلى على محمد وعلى آل محمد الفخ.

۴- السلام عليكم - رحمة الله عليه۔

اور جہاں تک ان کی دوسری دلیل کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ نہایت کمزور اور کچی دلیل ہے
جس سے زبردستی استدلال کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ تمام محدثین اور علماء حق نے اس کی
برزور تردید کی ہے اور اسی ٹکڑے کے بطلان پر تمام اہل علم و دانش حضرت کا اتفاق رہا اور امام نووی

نے زیادتی سند بزار اور سنن دارمی میں ہے (قواعد التحدیث) بحوالہ فیض المنعم ۷۷ دیکھئے فیض المنعم ۷۵

مصباح الزجاجة

۴۹

شرح اردو ابن ماجہ

مسئلہ حنفی کے پیرسٹر اور مشہور محدث امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ جملہ ثابت بھی ہو جائے تو یہ کذب کی علت نہیں بلکہ تاکید اور نتیجہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قسم کے کذب کا بھی انتساب کیا جائے گا اس کا لازمی وحتمی نتیجہ ایمان سے محرومی اور ضلالت و گمراہی ہوگا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”لیضل“ میں لام علت کا نہیں بلکہ عاقبت کا ہے جیسے کہ باری تعالیٰ کا قول ”فمن اظلم ممن افترى على الله كذبا ليضل الناس“ اسی کے ذیل میں جواب کی شق (ب) کا بھی استحضار کر لیں۔

(۵)۔ کسی کے بارے میں اگر کذب فی الحدیث ثابت ہو جائے تو اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں ذیل میں انھیں نقل کیا جاتا ہے:-

(۱)۔ امام احمد بن حنبل، امام حمیدی، ابوبکر صیرفی اور جہور کے نزدیک واضح حدیث کا فخر نہیں لیکن اعلیٰ درجہ کا فاسق قرار دیا جائے گا اور توبہ کرنے کے باوجود بھی اس کی روایتیں ناقابل اعتبار اور مردود ہی رہیں گی چاہے وہ روایتیں فی نفسہ صحیح ہوں۔

(۲)۔ شیخ ابو محمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کذب فی الحدیث کا فخر اور مسترد ہے لہذا اس سنگین جرم کی پاداش میں اس کا سرفہرہ کر دیا جائے امام ناصر الدین بن المنیر اور ان کے چھوٹے بھائی زین الدین بن المنیر کی بھی یہی رائے ہے اور انھوں نے اس رائے کو مزید تقویت پہنچائی ہے لہذا ان متشدد حضرات کے نزدیک اس کی روایتوں کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۳)۔ بعض محدثین کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شخص فاسق ہے کافر نہیں ہے اگر یہ توبہ کرے اور دل میں پشیمان ہو کر آئندہ کذب میں ملوث نہ ہونے کا عزم مصمم کرے تو اس کی صحیح روایتیں قابل قبول ہوں گی۔

علامہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ دو مسلکوں پر نقد کرتے ہوئے اور آخری مذہب کو مدلل و مؤید کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تمام علماء کے نزدیک کافر کی شہادت بعد الاسلام بالاتفاق قابل قبول ہے تو روایت بعد التوبہ کیوں مقبول نہیں جنس کہ دونوں حافظے کی مدد سے انجام دی جاتی ہیں اور کفر بہر حال کذب سے زیادہ بڑا جرم ہے لہذا صحیح یہی ہے کہ بعد التوبہ روایات مقبول ہوں گی اور حدیث ”التائب من الذنب کمن لا ذنب له“ بھی اسی کی متقاضی ہے لیکن علامہ نووی کا بیان کردہ مسلک جہور کے خلاف ہے۔

سوال ۱۴ :- عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حدث عني حديثاً وهو یروی أنه کذب فهو أحد الکاذبین .
(الف) اعراب لگا کر حدیث کی تشریح کیجئے ۔

(ب) - ”کاذبین“ کو اگر تثنیہ کی صورت میں پڑھا جائے تو کون دو کاذب مراد ہوں گے ؟
(ج) - نیز یہ بتائیے کہ ”یروی“ کو معروف اور مجهول پڑھنے میں کیا کیا معنی مراد ہوں گے ؟
جواب سوال ۱۴ :- (الف) - اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص میری جانب سے کوئی ایسی حدیث (قولی، فعلی، تقریری، وصفی) بیان کرے جس کے متعلق اس کا گمان یہ ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ (ناقل) بھی (واضعین حدیث کی طرح) جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے۔
(ب) - تثنیہ کا معنی بیان کرتے ہوئے استاد محترم مولانا سعید صاحب پانپوری فرماتے ہیں:-
”اور تثنیہ کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ دو جھوٹوں میں کا ایک ہے۔“

پہلا وہ شخص ہے جس نے یہ حدیث بنائی ہے اور دوسرا وہ راوی ہے جو اس جھوٹ کو پھیلا رہا ہے یعنی ان الکاذب الاول هو البادی بهذا

الکذب وهذا الراوی هو ثانیہما

(ج) - امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ”یروی“ کو مجهول پڑھا جائے تو وہ ”یظن“ کے معنی کے ساتھ متضمن ہوگا یعنی ظن غالب کے طور پر وہ روایت کو جھوٹ سمجھتا ہے۔
اس کے برخلاف ”یروی“ کو معروف پڑھنے کی صورت میں ”یعلم“ کے معنی مراد لے جائیں گے یعنی یقین کے ساتھ روایت کا جھوٹ ہونا اس پر عیاں ہے۔

سوال ۱۵ :- عن العنبر بن ساریة یقول وعظما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موعظة ذرقت منها الصیون ورجلت منها الملوک قلنا یا رسول اللہ

لہ دیکھئے فیض المنعم شرح مقدمہ مسلم ص ۶۲-۶۱ لہ اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے ابن ماجہ شریف ص ۳۸۱
۱۔ تنظیم الاشتات جلد اول ص ۱۳، شرح السنہ جلد اول ص ۲۹۶، مسلم اول ص ۳۶۴، مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۲۱۹، الکوکب الدرر للشیخ الکنکوی جلد ثانی ص ۱۳، ترمذی شریف جلد ثانی ص ۱۷۹، مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند، تحفۃ الاترذی جلد سوم ص ۲۴۳، التعلیق الصبیح للشیخ الکاندھلوی جلد اول ص ۱۱۔

شرح اردو ابن ماجہ

۵۱

اصباح الزجاء

إِنَّ هَذِهِ الْمَرْعِظَةُ مُرَدَّةٌ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا قَالَ فَذَكَرَ كُتُبَكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلَهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيدُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ مَنْ يَعِيشُ مِنْكُمْ فَتَبَيَّرِي اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَحَلِّكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبِشِيًّا فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْمَنْفُوحِ حَيْثُ مَا قُبِحَ انْقَادٌ وَفِي طَرِيقِ آخَرٍ وَإِيَّاكُمْ وَالْأُمُورَ الْمُحْدَثَاتِ فَإِنَّ كُلَّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کرنے کے بعد خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لیلہا کنہارہا کی خصوصی وضاحت فرمائیے۔

(ب)۔ خلفاء سے مخصوص خلفاء مراد ہیں یا ان کا مفہوم لغوی مراد ہے اگر عام خلفاء مراد ہیں جو بھی ان اوصاف کے حامل ہوں تو ان کی سنت میں باہم فرق ہوگا یا دونوں طبقہ کی سنت کا یکساں حکم ہے؟

(ج)۔ بدعت کی ایسی تعریف نقل کیجئے جس پر ”کل بدعة ضلالة“ پورے طور پر صادق آئے تخصیص و استثناء کی ضرورت نہ پڑے۔

جواب سوال ۵۱:۔ اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عباس بن ساریہ رضی فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (ایسے مؤثر اور پرسوز انداز میں) خطاب فرمایا کہ ہماری آنکھیں بہنے لگیں اور دل دہل گئے تو ہم لوگوں نے (آپ سے) کہا کہ یا رسول اللہ یہ تقریر تو (اپنی پرسوز نصیحت و وصیت میں) رخصت کرنے والے کی سی تقریر ہے تو آپ (رخصت و دارع کے وقت) ہم سے کس چیز کا عہد لیتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو (ایک) روشن (اسلامی و دینی) ماحول میں چھوڑاؤں گا جس (دین کی رات) اس کے دن کی طرح روشن ہے (اس صاف و روشن شاہراہ سے اب) صرف ہلاک ہونے والا ہی بھٹکے گا (آپ نے مزید فرمایا کہ) تم میں میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ غقریب زبردست اختلاف دیکھے گا (تو ایسے خطرناک وقت میں سلامتی اسی میں ہے کہ) تم میری واضح سنتوں اور خلفاء راشدین کے طریقوں کو دانتوں سے پکڑ لینا اور اساتذہ سابقہ (امیر کی اطاعت ضرور کرتے رہنا۔ چاہے وہ (امیر) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو) اطاعت امیر اس لئے ضروری ہے کہ مومن نیکی والے اونٹ کی طرح ہے اس کو جس طرف ہانکا (اونٹ کی طرح) چل پڑتا ہے۔ محدثات سے بچنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

ذرف یذرف ذرفاً و ذریعاً و ذرفاً و ذرفاناً (ض) آنسو بہانا۔
و جمل یوجمل و جلاً و موجلاً (س) ڈرنا، گھبرنا قال اللہ تعالیٰ لا توجل انا نبشرك بغلیم علیہم۔
عض یعض عضاً و عضیضاً (س) قال اللہ تعالیٰ و یوم یعض الظالم علی ید یدہ۔
نواجذ فاجذ کی جمع معنی ڈاڑھ۔

لیلہا کنہا رہا

عہد اولین سے عہد رسالت تک جتنے انبیاء و رسل اس دنیا میں تشریف لائے وہ سب قصرت و رسالت کی متعدد و ندر کی صورتیں تھیں جو مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں فطرت انسان کی رعایت کرتے ہوئے احکام الہی و تعلیم نبوی کی تبلیغ کرتے رہے اور ان کی پیہم جدوجہد، ان کی مساعی حسنه اور ان کی تحریک دعوت و ارشاد ان کے قبیلے یا ان کی دوسری مخاطب جماعت تک محدود رہی، تمام نسل انسانیت کی جانب مبعوث ہونے کا نہ انھوں نے دعویٰ ہی کیا اور نہ ہی ان کو اس کا مکلف بنایا گیا۔ اسی بنا پر ان کی شریعت کی حفاظت کی ایسی ضرورت نہ سمجھی گئی اور نہ اس کی آئندہ نسلوں کی رعایت کرتے ہوئے توضیح و تشریح کی گئی۔

آنحضرت ص جب اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ نے انبیاء سابقین کے اسی درجہ کی وضاحت اور اپنی شان خاتمیت اور ممتاز درجہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ”اُرسلْتُ الی الناس كافة و کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ“ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مخصوص قوم کسی محدود قبیلے اور کسی ممتاز خاندان کی جانب نہیں بلکہ نسل انسانیت کی اس پوری جماعت کی جانب مبعوث کئے گئے ہیں جو قیامت تک روئے زمین پر جنم لے گی اس لئے ضروری تھا کہ قیامت تک کیلئے آپ کی شریعت کو اتنا محفوظ اتنا جامع مکمل اور متنوع نیز اتنا مشرح کر دیا جائے اور اس کی ہر ہر شق ہر ہر پہلو اور پیغام الہی کے تمام گوشوں پر پھر پور روشنی ڈالی جائے اور آپ کے اسودہ حسنه سے پیغام الہی کی ایسی تفسیر کر دی جائے کہ پھر اس میں کسی قسم کا خفا و نیز ابہام و اجمال کا شائبہ تک باقی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اصول و مبادیات، تشریعی رموز و اشارات، اور نبوی علوم و معارف کی ایسی وضاحت کر دی کہ جس کی فطرت میں صلح و سعادت کا اگر معمولی سا عنصر بھی ہوگا تو وہ یقیناً اسے قبول کئے بغیر نہ رہ سکے گا اور اس صاف و شفاف واضح اور فطری دین سے صرف وہی اعراض کرے گا جس کے نوشتہ تقدیر میں ہی ہلاکت و بربادی لکھی جا چکی اور وہ ازل سے ہی شقی و نامراد ہے۔

مصحح الزحاجہ ۵۳ شرح اردو ابن ماجہ

اس کے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ دین اہمہد رسالت سے قیامت تک اسی طرح واضح اور روشن رہے گا اور اگر اس صاف و شفاف الہامی چشمہ میں کوئی آلودگی ڈالنا چاہے گا تو حدیث صحیح "لا تزال طائفة من امتی منصورین لایضربہم من خذلہم حتی تقوم الساعة" کا مصداق ایک جماعت کھڑی ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کے مطابق "یحمل هذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاہلین" کا زبردست اصلاحی مظاہرہ کرے گی اور تمام باطل افکار، بدعات و خرافات اور اوہام فاسدہ کا بالکلیہ انسداد کر دے گی تو اس طرح شریعت مجہدی کے کسی پہلو پر قیامت تک بھی پردہ نہ ڈالا جائے گا اور یہ دین قیامت تک صاف و شفاف روشن اور زندہ و تابندہ رہے گا۔

(ب)۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی مراد کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"قیل ہم الخلفاء الاربعة ابوبکر وعمر وعثمان وعلي لانه عليه السلام قال الخلافة بعدی ثلاثون وقد انتهی بخلافة علی کرم الله وجهہ"

مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ فرماتے ہیں:-

"قال التوربشتی رحمہ اللہ تعالیٰ المعتبرون بهذا القول هم الخلفاء الاربعة لانه عليه السلام فی حدیث آخر الخلافة بعدی ثلاثون سنة وقد انتهت الثلاثون بخلافة علی رض"

صاحب مفتاح الحاجہ شیخ محمد علوی رحمہ نے بھی یہی ترتیب بیان کی ہے اور انہیں چاروں خلفاء کو حدیث باب کا مصداق ٹھہرایا ہے جبکہ شیخ عبدالغنی مجددی رحمہ نے ان خلفاء میں حضرت حسن کو بھی شمار کیا ہے اور علماء کی ایک اچھی خاصی جماعت کی بھی یہی رائے ہے کیونکہ "الخلافة بعدی ثلاثون" کے تحت حضرت حسن رض کی خلافت بھی آتی ہے اور ان کے زمانہ خلافت کو ملا کر ہی تیس سال پورے ہوتے ہیں لہذا صحیح یہی ہے کہ حدیث باب یہی خلفاء خمسہ مراد ہیں۔ لیکن اگر خلفاء کا عام اور لغوی مفہوم مراد لیا جائے تو مذکورہ حضرات کے علاوہ تمام حضرات اس کے مصداق ہوں گے جنہوں نے اپنی زندگیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور تعلیمات نبوی کے سانچہ میں ڈھال لیا ہو اور آپ کی سیرت مبارکہ کے مختلف گوشوں پر مکمل طور سے عمل پیرا رہے ہوں جیسے حضرات فقہاء، محدثین و مجددین اور ائمہ عادلین وغیرہ۔ علماء کی ایک قلیل جماعت

کا یہی مذہب ہے اور حدیث رسول "لانی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون" سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

لیکن ان حضرات کو حدیث کا مراد مان لینے کی صورت میں خلفاء راشدین اور ان حضرات کی سنت میں یکسانیت نہیں بلکہ باہم فرق مراتب ہوگا کیونکہ صحابہ کرام اہل سنت والجماعت سے کہ نزدیک حجت اور دلیل قطعی ہیں اور "اصحابی کانتجوم باہم اقتدیتم اہتدیتم" نیز "الصحابة کلهم عدول" کا خلفاء راشدین اعلیٰ ترین نمونہ ہیں اور اصول شریعت کے مطابق غیر قیاسی مسائل میں ان حضرات کے اقوال حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں لہذا ان کے اجماعی عمل اور فیصلہ سے خروج جائز نہیں اور ان کی ہر ہر سنت کی اطاعت و اتباع ضروری ہوگی کیونکہ خلافت راشدہ اسلامی قانون سازی و دینی دستور کی ایک مستقل بنیاد ہے اور اس کے تحت آنے والے تمام مسائل منصوصہ و غیر منصوصہ اور اجتہادی اور استنباطی احکام بذات خود دین کے اجزاء شمار ہوں گے کیوں کہ ان میں اکثر وہی چیزیں ہیں جو عہد رسالت میں منصوص و مکتوب تھیں لیکن ان کی ترویج و تشہیر نہ ہو سکی تھی لیکن ان حضرات خلفاء راشدین نے انہیں اپنے اجتہاد و قیاس سے معاشرہ پر نافذ فرمایا تو گویا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنتیں ہوئیں یہ حضرات محض نافذین ہوئے۔

اس کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مواقع پر ان حضرات کے ناموں کا حصر کے ساتھ مسلمانوں کو ان کی اقتدار پر ابھارا ہے اور مختلف و متعدد مواقع پر ان کی توثیق و تعدیل کی ہے جیسا کہ غزوہ بدر کے اصحاب کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اعملوا ما شئتم قد عفوتکم" (حدیث قدسی)

اس لیے ان حضرات خلفاء راشدین کی سنتوں کا مرتبہ نہایت بلند اعلیٰ اور قوی تر ہوگا اور ان سے کسی صورت میں خروج جائز نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف لغوی خلفاء کے بارے میں نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق و تعدیل کی ایسی صراحت ہے کہ یہ حضرات بھی غلطی نہیں بلکہ مصیب ہی ہوں گے اور نہ ہی ان کا مقام و مرتبہ اتنا بلند و اعلیٰ اور نہ ہی انہیں شرف صحابیت حاصل ہے لہذا ان کی سنتوں کا وہ حکم و مرتبہ نہیں ہوگا اور ان کی وہی سنتیں قابل قبول اور قابل تقلید ہوں گی جو ماخذ شریعت کے مطابق ہوں گے کیونکہ ساتھ ساتھ اقرب الی السنہ ہوں اور مزاج شریعت اسلامیہ کے بھی

عین موافق ہوں اور ساتھ ساتھ ان میں خلوص للہیت و نیک نیتی کا نور اور طریق محمدی و اتباع نبوی کا تقدس بھی صاف جھلکتا ہے اسی اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:-
 ”اننا نحمل اولاً بکتاب اللہ ثم بسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم باحادیث ابی بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم“
 اس کے بعد امام صاحب صحابہ و غیر صحابہ کے فرق کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

”ما جاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلى الرأس والعين بابی وامی وليس لنا مخالفة و ما جاء عن اصحابه تخیرنا و ما جاء عن غیرهم فہم رجال ونحن رجال“
 ظاہر ہے کہ خلفاء اربعہ تو صحابہ کا دماغ ہیں لہذا ان کی سنت کی اتباع واجب ہے اور ”فہم رجال ونحن رجال“ کہہ کر امام صحت اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ دوسرے حضرات کی سنتوں کا وہ حکم نہیں۔

(ج)۔ محشی شرح السنہ بدعت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:-

”ما احدث علی غیر قیاس اصل من اصول الدین“

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”کل شیء عمل علی غیر مثال سبق و فی الشرع احداث مالم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

ایک تیسری تعریف محققین علمائے یہ فرمائی:-

”المراد بالبدعة ما احدث من مالا اصل له فی الشریعة“

درج بالا بدعات کی تمام تعریفیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ماخوذ ہیں:-

”من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فهو رد“

۱۔ ویکہ ماہنامہ چراغ راہ کراچی کا اسلامی قانون نمبر جلد دوم ص ۹۱ مطبوعہ سنہ ۱۹۵۴ء ص ۳۱ شرح السنہ جلد اول ص ۲۵
 ۲۔ مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح علی القاری ص ۱۴۸ جلد اول ص ۵۵ بدعت کی مزید تعریف کیلئے دیکھیے بحوالہ برابر
 ص ۱۳۱ تا ۱۳۲، اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھیے اردو جلد ثانی ص ۲۹۵، بذل الجہود جلد خامس ص ۱۹۵، ترمذی
 شریف ثانی ص ۹۲، الاکبب الدرری جلد ثانی ص ۱۳۱، مسند امام احمد جلد چہارم ص ۱۲۶-۱۲۷، مقدمہ دارمی جلد اول ص ۴۲
 شرح السنہ جلد اول ص ۲۰۴ کا حاشیہ، مرقاة المفاتیح علی القاری جلد اول ص ۱۹۸ تا ۲۰۰، تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی
 جلد سوم ص ۳۷ تنظیم الاشتات جلد اول ص ۱۲۷ مظاہر حق جدید جلد اول قسط چہارم ص ۳۰۔

سوال ۱۶ :- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَاطَبَ أَحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُولُ صَبَّحَكُمْ مَسَاكُمُ وَيَقُولُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ إصْبَعَيْهِ السَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى ثُمَّ يَقُولُ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْأُمُورِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكَانَ يَقُولُ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلَا حِلَّ لَهُ وَمَنْ تَرَكَ دِينًا أَوْ ضِيَاعًا فَتَعَلَّى وَ إِلَى -

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ خط کشیدہ الفاظ کی مفصل وضاحت کیجئے۔

(ج)۔ نیز یہ بتائیے کہ ”بعثت انا والساعة كهاتين“ مقارنت کیلئے ہے یا مقاربت کیلئے دونوں صورتوں میں فرق بیان کیجئے۔

جواب سوال ۱۶ :- (الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تقریر کرتے تو (ایک عجیب و غریب کیفیت سے) آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور (جوش میں) آپ کی آواز (ہنایت) بلند ہو جاتی اور آپ کا غصہ بڑھ جاتا گویا کہ آپ تنبیہا لشکر کو ڈرا رہے ہوں (پھر سی انداز میں فرماتے) صبح و شام (خطرہ تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے) اور یوں کہتے کہ میں اور قیامت اس طرح (ساتھ ساتھ) مبعوث کئے گئے ہیں پھر (اپنی بعثت اور قیامت کی قربت کی وضاحت اس طرح کرتے کہ) اپنی سبابہ اور وسطی کو ملا دیتے نیز فرماتے اما بعد بہترین کلام کلام اللہ ہے اور (اس کا) شاندار علی نمونہ محمد کی سیرت ہے اور بدترین چیز (دین میں) نئی بات پیدا کرنا ہے اور (اس طرح کی) ہر بدعت مگر اہی ہے۔ پھر (مزید) فرماتے (تم میں) جس نے مال چھوڑا تو وہ (مال کا نونا) اس کے اہل (و عیال) کیلئے ہے اور جس نے قرضہ یا لاوارث بچے چھوڑے تو (قرض کی ادائیگی اور بچوں کی پرورش و نگہداشت اخلاقاً) میرے ذمہ ہے۔

(ب)۔ اذا خطب احمرت عینا

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں دو وجہ سے یہ کیفیت ہوتی تھی :-

(۱)۔ ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی غفلت کو توڑنے بیداری اور دینی جوش و خروش پیدا

(۲) - کرنے کیلئے مبلغ انداز میں مؤثر تقریر فرماتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی آنکھیں بھی سرخ ہو جاتی تھیں۔ دوسری یہ کہ نبی جب اوامر الہیہ کو بیان کرتا ہے تو اس پر ایک عجیب و غریب پرسوز کیفیت و رقت طاری ہوتی ہے جس سے اعضا و جسم متاثر ہوتے ہیں اور آنکھوں میں خوف خدا اور سرخی صاف جھلکنے لگتی ہے۔

(۳) - ان دو وضاحتوں کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی بوقت خطبہ جن فتنوں سے ڈرا رہا ہو اسی دوران ان فتنوں کے کچھ روح فرسا مناظر پردہ غیب سے اسے دکھائیے جاتے ہوں جس سے اس کے دل کو تکلیف پہنچتی ہو اور یہ حالت ہو جاتی ہو۔ نیز نبی جب منکرات کا تذکرہ اور خطرات کی پیشین گوئی کرتا ہے تو ان کی شناعت و قباحت کے پیش نظر اس سے اللہ کی صفت قہاریت کا ظہور ہوتا ہے۔

صبح حکم و مساکم

جب حالات بہت خراب ہوں اور صبح و شام خطرات کی زد میں ہوں اور انجام نہایت قریب آچکا ہو تو ایسے وقت میں اس مخفف جملہ کا استعمال کیا جاتا ہے جس کا مقصد انسانوں کو بیدار اور چونکا کر نا ہوتا ہے یعنی پتہ نہیں صبح کو تمہارے اوپر کون سی آفت نازل ہو جائے اور معلوم نہیں شام کو تمہارا کیا انجام ہو حدیث باب میں ”بعثت انا والساعة“ کا قرینہ بتا رہا ہے کہ یہ جملہ اسی سے متعلق ہے تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ قیامت اتنی قریب آگئی ہے کہ بس صبح یا شام قائم ہی ہونے والی ہے اسلئے جو کچھ اعمال صالحہ یا توبہ وغیرہ کرنی ہو تو انھیں بے سرشتہ لمحات میں کر لیا جائے۔

وخیر الہدی ہدی محمد

یعنی سیرتوں میں سب سے شاندار جامع متنوع اور کامل سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اور دنیا کے انسانوں کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے انسان کیلئے یہی سیرت قابل تقلید اور عملی نمونہ ہے بادشاہ فقیر تاجر شوہر معلم و مربی ہر طبقہ سالار غرض یہ کہ ہر قسم کے افراد کیلئے یہ سیرت محمدی پورا سامان فراہم کرتی ہے۔ حضرت علامہ سید لیکن ندوی رحمۃ اللہ علیہ سیرت کے اسی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:-

لے حضرت شاہ ولی اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپاہیوں پر نگاہ دوڑاؤ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو اگر تم استاد و معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جاؤ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہو نہوالے کی باتیں سنو اگر تنہا ہو تو کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے بار و مددگار نبی کا اسوہ حسنہ تمہارے سامنے ہے اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور خائفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو اگر اپنے کا قریب اور دنیاوی جد و جہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو نبی نصیر خیر اور فک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو اگر یتیم ہو تو عبد اللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لادلے بچے کو دیکھو اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو اگر سفر کی کاروبار میں ہو تو بصری کے کاروان اسالار کی مثالیں ڈھونڈو اگر عدالت کے قاضی اور پنجائیں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور عین حسین کے نانا کا حال پوچھو غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کیلئے نمونہ اور تمہاری سیرت کی دسری و اصلاح کیلئے سامان تمہارے ظلمت خانہ کیلئے ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامعیت کی راہ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔

لے دیکھئے علامہ ندویؒ کی "خطبات مدراس" ۸۵-۸۶

علامہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح و توضیح سے یہ ثابت ہو گیا کہ ایک ایڈیل اور اکل سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ ”وخیر الہدیٰ ہدیٰ محمدؐ“ جوامع الکلم ہے جو اتنے کثیر اور عظیم معنی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

من ترک ما لا فلاہلہ ومن ترک دینا اوضیاعاً فاعلیٰ والیٰ

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ اور شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں مذکور ضیاعاً صیاع مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میت نے نہایت کم سن اولاد چھوڑی ہے جسے سہارے اور کسی کے سایہ عاطفت کی ضرورت ہے اور سہارا میسر نہ ہونے کی صورت میں تباہی و بربادی یقینی ہے تو ایسے تمام بے سہاروں لا وارثوں اور یتیموں کے سرپرست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت بے نظیر سخاوت و وسعت نیز خدا ترسی کا ایسا بے مثال نمونہ ہے جس کی نظیر یورپی نام و نہاد انسانیت کے علمبرداروں اور تہذیب و تمدن کے ٹھیکیداروں کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی دستور کی یہ ایک ہی دفعہ اور ایک ہی قانون اتنا فیاضانہ اور ہمدردانہ ہے کہ اگر اس کو تمام غیر دینی ترقی یافتہ حکومتوں اور انجمنوں کے نام و نہاد انسانی آئین کے بالمقابل رکھ دیا جائے تو انکی خوشنوازی و زندگی خود غرضی کا مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے آ جائیگا کیوں کہ بعض ترقی پسندوں اور منکرین خدا نے اپنے ملکوں میں یہ قانون جاری کر رکھا ہے کہ میت کے ترکہ مال و جائداد کی وارث حکومت ہوگی اور میت کے تمام قرضوں کو اس کے ورثاء کو چکانا ہوگا تو گویا حکومت صرف مال و دولت اور نفع کی مالک ہے جب کہ بے چارے ورثاء نہ صرف ترکہ سے محروم ہوئے بلکہ قرضوں اور دوسرے نقصانوں کا بوجھ بھی ان کی پیٹھ پر لاد دیا گیا اس کے برخلاف اسلام اپنی رعیت کو نفع مال و دولت کا وارث قرار دیتا ہے اور یتیم و لا وارث بچوں کی پرورش و نگہداشت اپنے ذمہ لیتا ہے۔

(ج)۔ ”بعثت انا و الساعۃ کھاتین“

مقارنت کے معنی بیان کرتے ہوئے شیخ عبد الغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-
”کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک خود علامات قیامت آنا تھا ہے اس کے بعد دوسری نشانیاں ظہور پذیر ہوں گی تو آپ کے قول کے یہ معنی

ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علاوہ قیامت تک کوئی نبی اور کوئی نئی امت پیدا نہیں ہوگی اور جب امت محمدیہ اپنا وقت پورا کرچے گی تو اسی دن قیامت برپا ہو جائے گی۔

مقاربت کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ میں اور قیامت بہت قریب ہیں اور میرے اور قیامت کے درمیان اتنا ہی مختصر فاصلہ ہے جتنا کہ سبابہ اور وسطی کے درمیان ہے حدیث باب میں مذکور ”و یقون بین اصبعیہ السبابہ والوسطی“ کا جملہ بتا رہا ہے کہ یہاں مقاربت کے معنی ہی زیادہ رائج ہیں۔

سوال کا :- عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

قال ألا إن قتال المؤمن كُفْرٌ وَسَبَابُهُ عَشَقٌ

(الف) مرجعہ کا تعارف کرانے کے بعد روایت بالا سے اس کا رد کیجئے۔

(ب)۔ اگر اس روایت سے خوارج کی تائید ہوتی ہے تو اس کا بھی تسلی بخش جواب دیجئے نیز ”قتالہ کفر“ کی ایسی موجہ تشریح کیجئے کہ ایمان کے بارے میں مسلک اہل حق سے اس کا ظاہری تعارض بالکل رفع ہو جائے۔

جواب سوال کا :-

(الف)۔ فرقہ مرجعہ اپنے عقائد و اوہام باطلہ کے لحاظ سے فرقہ معتزلہ کی ضد اور اس کا مد مقابل ہے خوارج ایسے تمام مسلمانوں کو کافر مرتد اور مخلد فی النار قرار دیتے ہیں جن کا دامن کبائر میں ملوث ہو گیا ہو لیکن مرجعہ نہ صرف صغائر و کبائر کی مضرت کے قابل نہیں بلکہ اعمال صالحہ کی افادیت کے بھی منکر ہیں چنانچہ معتزلہ ہر اس شخص پر مرجعہ کا اطلاق کرتے ہیں جو مرتکب کبائر کو مخلد فی النار نہ کہے۔

مرجعہ کے ذیل میں دیئے ہوئے پانچ شاخوں کے عقائد میں یہ عقائد تمام ہی میں قدرے مشترک پائے جاتے ہیں کہ ایمان صرف معرفت قلبی اور اقرار لسانی ہے اعمال صالحہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں اور توحید و ایمان کی موجودگی میں معصیت اس عہد پر اثر انداز نہیں اور ان کبائر و صغائر پر آخرت میں بھی کوئی مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ جس طرح ایمان نہ ہونے کی صورت میں کوئی عمل و اطاعت قابل منفعت نہیں ہوتی اسی طرح ایمان کی موجودگی میں کوئی معصیت بھی قابل مضرت نہیں ہوتی۔

مرجیہ ہی کے کچھ لوگ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت قریش کیلئے منع دس نہیں ہر مسلمان اس کا امیدوار ہو سکتا ہے اور بعض حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ کفر محض محمود انکار اور چاند و سورج اور بت کو سجدہ کرنا ہے اگر ایسا وہ نہ کرے اور دل میں کفر ہی ہو تو یہ علامت کفر تو ہوگی لیکن اس کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔

محمود ایشیشی "الفرق الاسلامیہ" میں فرماتے ہیں کہ کچھ حضرات کے نزدیک حسن بن محمد بن الخنفیہ یعنی حضرت علی کے پوتے نے یہ عقیدہ سب سے پہلے ظاہر کیا لیکن "الملل والنحل" میں ان کے عقائد کو دیکھتے ہوئے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی جب کہ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ ارجار کا عقیدہ بصرہ سے ظاہر ہوا اور حسان بن بلال مزینی اس عقیدے کا بانی تھا۔ اس کے علاوہ محدودے چند لوگوں نے ابوسلمہ سلمان کو بھی اس فرقہ کا بانی قرار دیا ہے۔ مرجیہ کے متعدد فرقے :-

- (۱) - یونس بن نمر کی جانب منسوب ہے۔
- (۲) - عبیدہ :- یہ فرقہ عبید بن جہران مکتب کی جانب منسوب ہے جو اللہ تعالیٰ کی شکل کو انسانوں جیسی قرار دیتا تھا۔
- (۳) - غسانہ :- غسان کوئی کے نام سے موسوم ہے۔
- (۴) - ثوبانیہ :- ابو ثوبان مرجی اس فرقے کا بانی ہے۔
- (۵) - تومنیہ :- تومن مصر کا ایک گاؤں ہے اسی کے ایک شخص ابو معاذ تومنی کے نام پر اس فرقہ کو تومنیہ کہا جاتا ہے۔

حضرت ابو داؤد سے جب مرجیہ کے فسادہ خیالات اور باطل عقائد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس کی تردید میں یہی حدیث باب "سباب المہومن فسوق و قتالہ کفر" بڑھ کر سنائی مرجیہ کیونکہ معرفت قلبی اور اقرار لسانی کے بعد مفاہمی و کبار کی حضرت کے بھی منکر ہیں لہذا حدیث مذکور سے ان کی صراحتاً تردید ہو گئی نیز مرجیہ کی تردید کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حجتہ الوداع کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رہے "لا تہتبعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم

لہ جلاء مرجیہ کی یہ ساری تفصیل الفرق الاسلامیہ للیشیشی، تاریخ المذاهب الاسلامیہ لابی زہرہ، المرفع والتکمیل للکنوی، تحقیق ابو غرہ جلی اور الکوکب الدرر و دیگر اہمات الکتاب سے ماخوذ ہے۔

رقاب بعض " تو ان مشرکوں سے معلوم ہوا کہ معصیت کی مضرت سے ایمان نہ صرف متاثر ہوتا ہے بلکہ بعض مباحی تو انسان کو کفر تک پہنچا دیتے ہیں لہذا مجاہد کا یہ عقیدہ سراسر باطل اور ایک دایمہ ہے۔
(ب)۔ غور و فکر جو کہ مرتکب کبار پر کفر کا حکم لگاتے ہیں اور حدیث میں وارد ہوئے ایسے تمام الفاظ کو حقیقت کے معنی میں لیتے ہوئے حدیث باب "قتال المؤمن کفر وسبابہ فسق" سے بظاہر اپنے مسلک پر استدلال کرتے ہیں۔

لیکن ان پر استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ حدیث میں "قتال المؤمن کفر" دراصل "سبابہ فسق" کے مقابلہ پر وارد ہوا ہے جس سے قتال مسلم کی تشدید و تغلیظ اور اس کی قباحیت و شناعیت کا اظہار مقصود ہے نہ قاتل مسلم کے کافر ہونے کا۔ کیونکہ سب و شتم کو فسق کا درجہ دینے کے بعد قتال مسلم کو بھی فسق ہی سے تعبیر کر دیا جاتا تو قتال و فسق کے مراتب کی نوعیت پوری طرح واضح نہ ہوتی اور مقصد کلام بھی حاصل نہ ہوتا اس لئے سبابہ درجات میں بلند و برتر کرنے کیلئے قتال پر تغلیظ کفر کا اطلاق کیا گیا ورنہ فی الحقیقت ایمان کی ضد کفر یہاں مراد نہیں۔

اب ذیل میں متعدد تاویلیں درج کی جاتی ہیں جو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں نقل فرمائی ہیں:-

(۱)۔ ایک توجیہ اگر مسلمان سے حلال سمجھ کر قتال کیا جائے تو یہ حقیقتاً کفر ہے لیکن علامہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ نے امام نووی کے اس نقل شدہ جواب پر بڑا وزنی اشکال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو حلال سمجھ کر تو گالی دینا بھی کفر ہے پھر قتال اور سباب میں کیا فرق رہ گیا لہذا یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔

(۲)۔ دوسری توجیہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں کفر سے ایمان کی ضد کفر مراد نہیں بلکہ کفر سے کفر ان نعمت مراد ہے یعنی قاتل مسلم نے اپنے سنگین جرم سے احسان اور نعمت کی ناشکری اور اسلامی برادری سے ایک طرح کی بغاوت کی ہے اسی لئے اسے کفر سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

یہ دیکھتے فتح اللہ جلد اول صفحہ ۲۲۳ ملاحظہ کیجئے مسلم اول صفحہ

(۳)۔ بیسرا جواب علامہ نووی یہ نقل فرماتے ہیں کہ قتال مسلم کیونکہ شہادت و قیامت اور نحوست میں کفر کی حدود تک پہنچا ہوا ہے اسلئے اس کو کفر سے تعبیر کیا گیا اسی کو الکوکب الدرہی میں اسطر بیان کیا گیا ہے ”والجواب عن القتال بالکفر لکونه اعظم الکبائر فکانہ اذا قتل المسلم فقد کفر“

(۴)۔ چوتھا قول امام نووی یہ نقل فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں قتال مسلم کو فعل کفار سے تشبیہ دی گئی ہے کہ قتال مسلم ایمان والے کی نہیں بلکہ کافر کی شان ہے۔ اسلئے بقول علامہ عثمانی کے یہاں تغلیظ و تشدید کیلئے قتال مومن کو کفر کہا گیا ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہی قول زیادہ راجح اور با وزن ہے کیونکہ تغلیظ کیلئے کفر کے استعمال کی شریعت میں دوسری نظیریں بھی موجود ہیں اور ان سب میں تغلیظ و تشدید کا پہلو ہی پیش نظر ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا ”لا تخرجوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض“

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان قتل کرتے کرتے حقیقی کفر تک بھی پہنچ جاتا ہے علامہ کی یہ تحقیق با وزن ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی دقت نظر کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔ ہماری درج بالا مفصل تشریح سے حدیث باب کا مسلک اہل حق سے جو ظاہری تعارض تھا وہ بالکل رفع ہو گیا۔

سوال ۱۸۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت تلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذہ الایۃ ”ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیاتٌ مُحکماتٌ ھنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَ اُخْرُ مُتَشَابِهَاتٌ“ اِلٰی ”قَوْلِهِ“ وَ مَا یَذْکُرُ اِلَّا اُولُو الْاَلْبَابِ“ فَقَالَ یَا عَائِشَةُ اِذَا رَأَیْتُمُ الَّذِیْنَ یُبَیِّنُ لَوْنٍ فِیْہِ فَہُمْ الَّذِیْنَ عَنَّاہُمْ اللّٰهُ فَاتَّخَذُوْہُمْ۔ (الغاب)۔ اسرار و ترجمہ کے بعد حکم و تشابہ کی تعریف مع مثال تحریر فرمائیے۔ (ب)۔ تشابہات احادیث بھی نقل کیجئے۔

۱۔ دیکھئے الکوکب الدرہی جلد ثانی ص ۱۲۔ اس حدیث کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے تحفۃ الاخری جلد سوم ص ۳۶۵۔
۲۔ تفسر شریف جلد ثانی ص ۳۷ کا حاشیہ فتح المہم جلد اول ص ۱۳۱

(ج)۔ اور ان تین اقوال "بعض قرآن محکم ہے بعض متشابہ" "کل قرآن محکم ہے" "کل قرآن متشابہ ہے" میں ہر قول کی مراد واضح کر کے قول راجح کو مدلل تحریر فرمائیے۔

جواب سوال ۱۸۱ :- (الف)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو ص ۶۱۳

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ (یکم تبارک) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی "هو الذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات هن ام الکتاب و اخر متشابہات" اسی قولہ وما یذکر الا اولو الالباب پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ناصرانہ انداز میں) فرمایا کہ اے عائشہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو (متشابہات میں) جھگڑتے ہیں تو (فوراً سمجھ لینا کہ) یہی وہ (بد نصیب) لوگ ہیں جن کو خداوند قدوس نے (فاما الذین فی قلوبہم ریح الخ میں) مراد لیا ہے تو تم (تمام مسلمان) ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا (کیوں کہ) اسی میں خیر و عافیت ہے۔

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ محکم کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:-
"المحکم ما احکم مرادہ"

ملا علی قاری ذرا دوسرے انداز سے تعریف کرتے ہیں:-
"المحکم) وہی ما امن من احتمال التاویل"

علامہ آلوسی نے ذرا اور وضاحت سے کام لیتے ہوئے فرمایا:-

"(المحکمات) واضحة المعنی ظاهرة الدلالة محكمة العبارة محفوظة من الاحتمال والاشتباہ"

اب ذیل میں اس کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے:-

۱۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوة فاعسلوا وجوهکم الخ

۲۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوة وانتم سکرانی الخ

۳۔ یا ایہا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منهم الخ

متشابہ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

۱۔ دیکھئے فیض الباری جلد رابع ص ۱۶۶ ۲۔ دیکھئے مرقاة المفاتیح جلد اول ص ۱۸۱ ۳۔ ملاحظہ ہو روح البغی الجزء الثالث ص ۵۔

”المتشابه ما ابهم مرادہ“

علامہ قاری اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

”المتشابه ما يبلغ في الخفاء غايته ولا يرجي معرفته“

علامہ خطابی ذرا اور تفصیل کرتے ہیں:-

”ما اشتبه منها فلم يتعلق معناه من لفظه. ولم يدرك حكمه من شلاوقته“

اب ذیل میں متشابہ کی مثالیں قلمبند کی جاتی ہیں:-

۱- ”الرحمن على العرش استوى“

۲- ”كل شيء هالك الا وجهه“

۳- ”يد الله فوق ايديهم“ اور حروف مقطعات وغیرہ۔

(ب)۔ ذیل میں چند متشابہ احادیث نقل کی جاتی ہیں:-

۱- عن ابی ہریرۃ رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ينزل ربنا

تبارك وتعالى كل ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الاخر يقول من

يدعوني فاستجب له من يسألني فاعطيه من يستغفرني فاغفر له (متفق عليه)۔

۲- عن ابی ہریرۃ رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلق الله الخلق

فلما فرغ منه قامت الرحم فاخذت بحقوقى الرحمن فقال له قالت هذا

لے فیض الباری جلد رابع ص ۱۶۶ ۲۲ مرقاۃ المفاتیح جلد اول ص ۱۸۸ ۳ دیکھئے عمدۃ القاری للعلینی جلد ششم ص ۵۱۵

۴ حکم اور متشابہ کی سیر حاصل بحث کیلئے دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن للسيوطی الجزء الثانی ص ۱۸۱ نیز دیکھئے ”سورة

فاتحہ“ لابن تیمیہ، علوم القرآن لصالح الصبیحی، حنفی عائشہ کی حدیث باب کی مفید تفصیل کیلئے دیکھئے مرقاۃ المفاتیح جلد اول

ص ۱۸۸، شرح السنۃ جلد اول ص ۲۲۱-۲۲۲، نظام حق جدید جلد اول قسط چہارم ص ۱۸، ترمذی جلد ثانی ص ۱۲۳، مسلم جلد ثانی

ص ۳۳۹ کی شرح نووی۔ فتح الباری جلد ششم ص ۱۳۶-۱۳۷، بذل الجہد جلد خامس ص ۱۸۹، فیض الباری جلد چہارم ص ۴۶

و ص ۱۶ عمدۃ القاری جلد ششم ص ۵۱۵، تحفۃ الاحوذی جلد چہارم ص ۵۸، معارف القرآن جلد دوم ص ۲۰۲، روح المسانی للآلوسی الجزء

الثالث ص ۵۸۔ نیز مذکورہ مشہور حاکم و علاوہ حکم و متشابہ کیلئے مولانا آتی عثمانی مدظلہ کی علوم القرآن کا مطالعہ بھی نہایت

ضروری ہے اور ایک مختصر رسالہ بحر العلوم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمایا ہے ”التواضع بما يتعلق

بالتشابه“ اس کا مطالعہ بھی نہایت مفید ہوگا ۵۵ حقوبین تفتیہ حقوبین کرکھ۔

مقام ائذانك من القطعية قال الاترضين ان اصل من وصلك واقطع من
قطعتك قال بلى يارب قال فذاك (متفق عليه)
عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان قلوب
بنی آدم كلها بين اصبعين من اصابع الرحمن كقلب واحد يصرفه كيف
يشاء ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم مصرف القلوب صرف
قلوبنا على طاعتك (مسلم)

(ج)۔ امام ابن حبیب نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے محکم و متشابہ پر بحث کرتے ہوئے اس ذیل میں تین
مذہب نقل کئے ہیں:-

- ۱۔ کل قرآن متشابہ ہے۔
- ۲۔ کل قرآن محکم ہے۔
- ۳۔ بعض قرآن محکم اور بعض متشابہ ہے۔

کل قرآن متشابہ ہے

ایک فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ قرآن کریم اپنی ابتداء سے انتہا تک مکمل متشابہ ہے اور اس میں
کوئی آیت در کوئے اور کوئی مضمون و حکم نیز کوئی مفہوم بھی ایسا نہیں جو بہت زیادہ واضح ہو
اور عقل انسانی اس کا پورے طور سے احاطہ و ادراک کر لیتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں
خود فرمایا ”کتاباً متشابہاً مثلاً“ یعنی ہم نے ایسی کتاب کو نازل کیا جو متشابہ ہے اور بار بار
پڑھی جاتی ہے تو مذکورہ آیت میں متشابہ کو کتاب کی صفت بنایا گیا جس سے کل اور جمیع قرآن
کا متشابہ ہونا ثابت ہوتا ہے نیز اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اعلیٰ و ارفع ہستی کی عظمت و رفعت
تمام نقائص سے مبرا اور تمام عیوب سے منزہ ہونیکا بھی یہی تقاضا ہے کہ اس کا کلام اپنی
جامعیت و اختصار حقائق و دقائق اور فصاحت و بلاغت کے اس معیار پر ہو جہاں کمزور و
نحیف اور ناتواں انسانوں کی ناقص عقل اور قوت ادراک جواب دے جاتی ہو نیز کل قرآن
کو متشابہ تسلیم کرنے میں اس کے اعجاز کی پہلو کو بھی مزید تقویت ملے گی اور وہ زیادہ نکھر کر سامنے آئے گا۔
کل قرآن محکم ہے

ملت اسلامیہ کا ایک دوسرا فرقہ اس بات پر مصر ہے کہ جمیع قرآن محکم واضح اور معلوم المراد ہے
اور اس میں کوئی المعنی و مفہوم کوئی عبرت و نصیحت اور کوئی حکم و فرض بھی ایسا نہیں جو عقل

انسانی کو حیران ذہن انسانی کو پریشان اور قوت ادراک کو مفلوج کر گیا ہو اور ابھی تک اس پر اجمال و اشتراک اور ابہام کے دبیز پردے پڑے ہوں کیونکہ رب العلمین خود فرماتا ہے کتاب الحکمت آیاتہ "یعنی یہ ایسی کتاب ہے جس کی تمام آیات واضح اور محکم ہیں تو مذکورہ آیت میں بغیر کسی استثناء کے قرآن پاک کی تمام آیات پر محکم ہونے کا اطلاق کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی کسی حقیقت و حکمت اور علم و معرفت کو پردہ خفا میں نہیں رکھا گیا اور احکام و اصول پر ابہام و اشتباہ کا پردہ ڈال کر اس کی مراد اور اس کے منشاء و مقصد کو چھپ کر مخاطبین کو تکلیف مالایطاق کا تکلف نہیں بنایا گیا اور اس کو "بلسان عربی مبین" میں نازل فرما کر "تم فُصِّلَتْ من لدنہ حکیم خبیر" کی صراحت فرما کر اس کے تمام حقائق و دقائق علوم و معارف اور اسرار و رموز سے پردہ اٹھا دیا گیا۔

اس کے علاوہ عقل و حکمت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ ایک علیم و حکیم کے اس پیغام کو محکم و واضح اور مشرح ہی ہونا چاہیے جس میں ہر سطح ہر درجہ اور ہر طبقہ کے انسانوں کو مخاطب بنایا گیا ہو کیونکہ اگر وہ متشابہ مبہم اور محمل ہوگا تو مخاطبین کے واسطے تکلیف مالایطاق لازم آئے گی اور سیاق و کلام نیز ارسال پیغام کا مقصد بھی فوت ہو جائے گا اور مقامات اشتباہ آیات اجمال اور مضامین ابہام تقریباً منسوخ ہو کر رہ جائیں گے اسلئے اتنے سارے اعتراضات اور اشکالات سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ کل قرآن کو محکم و واضح اور مشرح مانا جائے۔

بعض قرآن محکم اور بعض متشابہ ہے
امت کا سواد اعظم اس بات کا قائل ہے کہ بعض قرآن محکم اور بعض متشابہ ہے جمہور امت فرقہ اول کی طرح نہ تو قرآنی اعجاز کو اتنا طول دیتے ہیں کہ اس کی تعلیمات و ارشادات بے معنی ہو کر رہ جائیں اور اس کا مقصد و منشاء اشتباہ اجمال اور ابہام کی نذر ہو جائے اور نہ ہی فرقہ ثانیہ کی طرح توضیح و تشریح میں اتنی تنگ و دو اور حدود سے تجاوز کرتے ہیں کہ جس قرآن کی امتیازی شان اس کا انفرادی مقام نیز اس کی عظمت و رفعت متاثر ہو اور اس کے اعجاز کی کردار و اثر مل لانے کے چیلنج کو کوئی عدم مہو نہ بنے۔

اسی لئے جمہور امت نے مقاصد قرآن اور پیغام اسلام کے پیش نظر جملہ نصوص صریحہ اور قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا کہ اس کا اکثر حصہ محکم اور اس کی انفرادیت اور اعجاز کی وجہ سے بعض متشابہ ہے کیونکہ قرآن کریم میں رب جلیل نے خود فرمایا ہے "هو الذی انزل

علیک الكتاب منه آیات محکمات هن ام الكتاب واخر متشابهات الخ
یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ قرآن دو حصوں پر مشتمل ہے محکم اور متشابه یعنی جو آیات محکمات ہیں
در اصل ان پر ہی اسلامی احکام و ارکان کا دار و مدار ہے اور بقیہ دوسری آیتوں پر قرآن کو
منفرد و ممتاز کرنے کیلئے اجمال ابہام اور اشتباہ کا پردہ ڈال دیا گیا ہے نیز حدیث شریف
میں آتا ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نزل القرآن على خمسة اوجه
حلال وحرام ومحکم ومتشابه وامثال فاحلوا الحلال وحرموا الحرام واعملوا
بالمحکم وآمنوا بالمتشابه واعتبروا بالامثال"
یہ حدیث قرآن کے بعض محکم اور بعض متشابه ہونے پر صریح دلالت کر رہی ہے نیز عقل و حکمت
بھی اسی کی متقاضی ہے کہ دعوت و ارشاد و عظمت و نصیحت اور اعمال و احکام کے واسطے قرآن کا
ایک بڑا حصہ محکم اور واضح ہو اور عقل انسانی کے نقص و کوتاہی کو تسلیم کرانے اور اللہ تعالیٰ
کی شان رفعت و عظمت کے اظہار کیلئے اس کا ایک چھوٹا حصہ مبہم اور متشابه بھی ہوتا کہ دیگر کلام
سے کلام اللہ کا ظاہری امتیاز بھی باقی رہے۔

سوال ۱۹: عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا
يَقْبَلُ اللَّهُ لِصَاحِبٍ بِدْعَةً صَوْمًا وَلَا صَلَاةً وَلَا صَدَقَةً وَلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً وَلَا
لَا جِهَادًا وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدًّا لَا يَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ
مِنَ الْعَيْنِ

(الف)۔ معنی خیر ترجمہ کرنے کے بعد بدعت کی ایسی تعریف کیجئے جس پر کوئی اشکال وارد نہ ہو۔

(ب)۔ بدعت پر ایک مختصر مقالہ لکھیے۔

(ج)۔ قبول اجابت اور قبول اصابت کی مع امثلہ تعریف نقل کرنے کے بعد بتلائیے کہ یہاں کونسی

مراد ہے؟

جواب سوال ۱۹: (الف)۔ حضرت حذیفہ رضی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدعتی کے روزہ نماز صدقہ حج عمرہ جہاد توبہ فدیہ (غرض یہ
کہ کسی بھی عبادت) کو قبول نہیں فرماتا اور وہ (بدعتی) آٹے میں سے بال کی طرح اسلام
سے نکل جاتا ہے (اور بدعت پر اصرار کرتے ہوئے زیادہ دنوں تک اسلام پر قائم نہیں

رہ سکتا)۔

(ب)۔ بدعت کی تعریف کیلئے ملاحظہ ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ اہم سابقہ کی آسمانی کتابیں محفوظ نہ رہنے ان کی شریعتوں کے محرف ہونے اور تعلیمات الہیہ کے تغیر و تبدل میں جہاں مختلف وجوہ و اسباب کا رفرما ہیں وہیں کچھ مفروضہ خیالات کی پرستش اپنے ہادیوں کی جانب بدعات و خرافات کی نسبت اور اتباع آرزو نے بھی ان کی تباہی و بربادی میں اہم رول ادا کیا ہے انبیاء کی تعلیمات پر جھوٹ و افتراء کے دیز پرے ڈالنے خود ساختہ خیال خام پر تعلیمات نبوی کا لیل لگا کر ان کی اشاعت کرنے نیز ان کے باعث ثواب سمجھنے ہی کی وجہ سے ان کی شریعتیں معرفت الہی سے محروم محض بدعات و خرافات کا پلندہ بن کر رہ گئیں۔

اسی پس منظر کے تحت اسلام نے جہاں مختلف و متعدد قیود و خطوط کے فلاح انسانی کیلئے ایک ہمہ گیر نظام پیش کیا ایمان و عمل کے گلشن کو مہکایا وہیں روز و راتوں ہی سے اپنی خاتمیت و ابدیت کے پیش نظر کڑی پابندی لگا دی کہ شریعت اسلامی میں فساد افکار و خوارجی اوہام کی آمیزش ہرگز نہ کی جائے اور اسلام کے صاف و شفاف آئینہ کو بدعات و خرافات کی آلائشوں سے گندہ نہ کیا جائے اس کیساتھ ایک قاعدہ کلیہ مقرر فرمایا کہ ”کل محدثۃ بدعة“ کے زمرے میں جو خیالات و عقائد بھی آئیں وہ ”کل بدعة ضلالة“ کا مصداق ہوں گے اور ان کا انجام ”کل ضلالة فی النار“ ہی ہوگا نیز دین میں کچھ گھڑنا اتنا سنگین جرم قرار دیا گیا کہ قرآن نے مشرکین کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ اگر پیغمبر اپنی جانب سے کچھ گھڑے تو اس جرم کی پاداش میں اس کی بھی رگ کاٹ دی جائے گی۔

بدعات و خرافات سے جہاں دین و پیغمبر پر افتراء لازم آتا ہے دین کا تکمیلی مرحلہ اور عقیدہ خاتمیت متاثر ہوتا ہے وہیں ملت کی فکر و عمل کی قوتیں بری طرح متاثر ہوتی ہیں اور بدعت کی نحوست کی وجہ سے اس قوم پر فتنہ و فساد کو مسلط اور تمام خیر نیز انوار و برکات کو سلب کر لیا جاتا ہے کیونکہ یہ قوم خدا کی غیرت اور نبی کی رسالت کو چیلنج کر رہی ہے۔

اس کی شناخت و قباحت میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ اسلام نے خود اپنے ماننے والوں پر اتنی ذمہ داریاں عائد کی ہیں کہ ان کے بعد پھر مزید کسی ذمہ داری کو فطرت انسانی برداشت نہیں کر سکتی تو اگر اسلامی فرائض و واجبات کے علاوہ مزید کچھ ذمہ داریوں کا بوجھ بلا وجہ اپنے سر لے لیا جائے اور نئی نئی بدعات سے اس میں بھی اضافہ ہوتا رہے تو ایک دن ایسا ہمارا

آئے گا کہ وہ ان غیر فطری ذمہ داریوں سے پریشان ہو کر جب ان راہوں سے نکلنا چاہے گی تو تمام ہی دینی و غیر دینی ذمہ داریوں کو نبھانے سے صاف انکار کر دے گی اور ایمانی و اسلامی قیود سے آزاد ہو کر الحاد و ارتداد اور لادینیت کے غاروں ہی پناہ دے گی۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صغیم

انھیں امور کی روک تھام کیلئے اسلام نے غلو فی الدین کی بھی تمام راہیں مسدود کرنا ضروری سمجھا کیونکہ اس سے وہ مزاج و مذاق پیدا ہوتا ہے جو آگے چل کر بدعات و خرافات کی نہایت خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے اسی لئے قرآن کریم نے افراط و تفریط کی راہوں سے بچانے کیلئے امت مسلمہ کو امت وسط سے ملقب کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”خیر الامور وسطها“ فرما کر اعتدال فی الدین کی تعمیل پر ابھارا کیونکہ بدعات و خرافات سے بچنے کا یہی صحیح اور سیدھا راستہ ہے۔

اب ہم ذیل میں چند دلائل نقل کر رہے ہیں آپ درج بالا مضمون کو ان دلائل کی مدد سے ایک بسیط مضمون کا شکا دیجئے:-

۱۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الہدی ہدی محمد ص وشر الامور محدثاتہا وکل بدعة ضلالة (مسلم)

۲۔ عن عائشة رضی اللہ عنہا من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فہو رد (مسلم و بخاری)

۳۔ من سن سنة سیئة فعمل بہا کان علیہ وزرہا ووزر من عمل بہا لا ینقص من اوزارہم شیئاً (ابن ماجہ)

۴۔ من کذب علی متعمداً فلیتبرأ مقعدہ من النار (بخاری و مسلم)

۵۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعة حتی یدع بدعتہ (ابن ماجہ)

۶۔ من دعا الی ضلالة کان علیہ من الاثم مثل آثام من تبعہ لا ینقص ذلک من آثامہم شیئاً (مسلم)

۷۔ عن حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ قال کل عبادۃ لہم یتعبد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم فلا تعبدوها، فان الاول لم يدع للآخر مقالا فانقول الله يا معشر المسلمين وخذوا بطريق من كان قبلكم.

۸۔ عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل محدثة ضلالة وكل ضلالة في النار." (الاعتصام ج ۱ ص ۷۶)۔
(ج)۔ استاذ محترم حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی "درس ترمذی" میں قبول اصابت کی تعریف یوں کرتے ہیں:-

"كون الشئ مستجمعا لجميع الشرائط والاركان"
یعنی عمل و امر دین کیلئے جن جن قیود و لوازمات کی شرط ہے وہ تمام کی تمام بیک وقت موجود ہوں تو اس معنی کے لحاظ سے یہ صحت کا مترادف ہے اور اس کا نتیجہ دنیاوی اعتبار سے فراغ الذمہ ہے۔
قبول اصابت کی مثال:

۱۔ لا یقبل الله صلوة حائض الا بخمار
۲۔ لا تقبل صیارة بغير طهور ولا صدقة من غلول۔
قبول اجابت کی تعریف کرتے ہوئے مولانا عثمانی فرماتے ہیں:-
"وقوع الشئ فی حیز مرضاة الرب سبحانه وتعالى"
یعنی الشکر کو یہ عمل اور یہ ادا پسند آئے اور وہ اس بندہ کیلئے آخرت میں ثواب کا ذخیرہ مقرر فرمادے تو اس کا نتیجہ صرف آخرت کا ثواب ہے۔
قبول اجابت کی مثال:

۱۔ من شرب الخمر لم تقبل له صلوة اربعین صباحا۔
۲۔ ابی الله ان یقبل عمل صاحب بدعة حتی یدع بدعته۔
حدیث باب میں قبول سے قبول اجابت مراد ہے۔

سوال ۲:۔ عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ان الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من الناس ولكن يقبض العلم بقبض العلماء فاذا لم يبق عالما اتخذ الناس"۔

لہ دیکھئے درس ترمذی للعثماني جلد اول ص ۱۵۲

رُؤْسًا جَهْلًا فَاسْأَلُوا فَأَسْأَلُوا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا۔

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ درج بالا حدیث کا ”باب اجتناب الرأی والقیاس“ سے کیا مناسبت، بیان کیجئے۔

(ج)۔ نیز اصولی طور پر لکھیں کہ رائے اور قیاس کے قابل قبول ہونے اور قابل اجتناب ہونے کی

کیا شرائط ہیں؟

جواب سوال ۲:۔ (الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا حدیث طے پر ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (اس طرح) علم کو نہیں اٹھائیں گے کہ دفعۃً انسانوں سے اسے سلب کر لیں بلکہ (رفع علم کا انداز یہ ہوگا کہ) علماء کو (رفتہ رفتہ) وفات دیکر علم کو سلب کر لیں گے تو جب خداوند قدوس کسی عالم کو بھی دنیا میں (نہیں چھوڑے گا) تو لوگ جاہلوں کو (اپنا پیشوا) سردار بنالیں گے اور (عالم سمجھ کر) ان سے (مسائل شرعیہ) پوچھیں گے تو وہ جہلوار بغیر علم کے فتوے دیں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور (اپنے ساتھ ساتھ) دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(ب)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ روایت ”باب اجتناب الرأی والقیاس“ کے تحت ذکر کی ہے حدیث باب اور ترجمۃ الباب میں مطابقت یہ ہے کہ بغیر علم و معرفت کے مسائل شرعیہ میں قیاس و رائے زنی نیز اس میں فتوے دینا گمراہوں اور شیطانوں کا کام ہے اسلئے اس عمل قبیح سے اجتناب ضروری ہے اور ایسا قیاس صحت کے دور اور غلط ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامی پر ایک افتراء اور زبردست بہتان ہے کیونکہ قیاس کا حق اسی انسان کو پہنچتا ہے جو مآخذ شریعت پر پوری طرح حاوی ہونے کیساتھ شریعت کی نزاکتوں اور اس کے مسائل کی علت حرام و حلال پر گہری نظر رکھتا ہو اور اس کو نور معرفت بھی حاصل ہو اس کے برخلاف جہلوار ان صلاحیتوں سے عاری اور ان علوم و معارف سے

۱۔ اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو مسلم شریف جلد ثانی صفحہ ۳۴۷ شرح نووی، بخاری جلد اول صفحہ ۲۱۵ فیض الباری جلد اول صفحہ ۱، فتح الباری جلد اول صفحہ ۱۶۲ اور ۱۶۳، مرآۃ المفاتیح للعلی القاری جلد اول صفحہ ۲۲۵، التعلیق الصبیح لکانہ صوری ۱۳۵، ترمذی جلد ثانی صفحہ ۹، الکوکب الدرر جلد ثانی صفحہ ۱۲۹، مسند امام احمد جلد پنجم صفحہ ۲۶۶، شرح اسنہ جلد اول ۳۱۶ مطبوعہ سعودی عرب، تحفۃ الاحوذی للبارکپوری جلد سوم صفحہ ۳۷۔

تہی دامن ہیں اسلئے ان کا قیاس اور فتوے دینا سراسر غلط اور اتباع آر زوہر یعنی ہے تو امام ابن ماجہ یہ تاکید فرما رہے ہیں کہ ایسے بے وقوفوں کو یہ زوہر نہیں اختیار کرنا چاہیئے اور اگر یہ نہیں مانتے تو تمام مسلمانوں کو ان کے قیاس اور ان کی صحبت و تعلق سے بالکلیہ اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ شیطانوں کے پیرو اور گمراہ قسم کے لوگ ہیں۔

(رج)۔ اصولی طور پر قیاس کے صحیح اور قابل قبول ہونے کیلئے صاحب اصول الشاشی نے پانچ شرطیں نقل فرمائی ہیں۔

۱۔ لا یكون فی مقابلة النص۔

یعنی قیاس نص شرعی کے مقابل نہ ہو مثلاً ایک دیہاتی نے حضرت حسن بن زیاد سے نماز میں قہقہہ لگانے کے متعلق دریافت کیا حضرت حسن نے بر ملا جواب دیا کہ قہقہہ فی الصلوٰۃ ناقض وضو ہے دیہاتی نے حضرت کے جواب پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی شخص بحالت نماز کسی پاکدامن عظیمہ عورت پر تہمت لگا دے تو یہ عظیم ترین گناہ ہونے کے باوجود ناقض وضو نہیں تو قہقہہ سے وضو کیوں ٹوٹنے لگا دیہاتی کا یہ قیاس مردود ہے کیونکہ قہقہہ کے متعلق نص شرعی یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے جس میں صریحاً نقض وضو کا تذکرہ ہے۔

۲۔ لا یتضمن تغیر حکم من احکام النص۔

احکام نص میں سے کسی حکم کی تغیر کا سبب نہ بنے جیسا کہ تیمم پر قیاس کر کے وضو میں بھی نیت کو شرط قرار دیدیا جائے کیوں کہ اس طرح وضو کی آیت مطلق سے مقید ہو کر تغیر لازم آتی ہے لہذا یہ بھی مردود ہے۔

۳۔ لا یكون المعذی حکماً لا یسقل

بین المسلمین کی علت غیر مدرک بالعقل نہ ہو جیسے یہ کہنا کہ جس طرح اخراج ریح سبب حدت ہے اور اس پر نماز کی بنا کر نادرست ہے اسی طرح احتلام بھی حدت ہے اسلئے اس پر بھی بنا کر جائز ہونی چاہیئے حکم اصل کی علت ادراک نہ ہونے پر یہ قیاس بھی مردود ہے۔

۴۔ لا یقع التحلیل لحکم شرعی لا لامر لغوی

حکم شرعی کے اثبات کیلئے علت دریافت کی جائے نہ کہ لغوی امر کیلئے مثلاً کوئی یوں کہے چور

لہ اصول الشاشی صفحہ ۸۵ مطبوعہ معراج بکڈلو۔

کو سارق اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ خفیہ طریقے سے دوسروں کا مال حاصل کرتا ہے تو اسی وصف کی بنا پر نہایت کفن چور کو بھی سارق قرار دیا جائے اور اس پر قطع ید کی حد جاری ہو یہ قیاس کیونکہ لغت سے متعلق ہے اسلئے امر شرعی میں اسکا اعتبار نہیں۔

۵۔ لا یكون الفرع منصوصاً علیہ۔
فرع منصوص علیہ نہ ہو کیونکہ جب نص موجود ہے تو قیاس کی کوئی ضرورت نہیں مثلاً کفارہ قتل پر قیاس کرتے ہوئے غلام کیساتھ کفارہ ظہار اور کفارہ قسم میں بھی مومن کی قید لگا دی جائے تو یہ قیاس مردود ہو گا کیونکہ کلام اللہ میں ان کفاروں کو مطلق ذکر کیا ہے تو وہ مقید نہیں ہو گا۔

سوال ۲۱: باب اجتناب الرأي والقیاس کے تحت ابن ماجہ نے متعدد روایات ذکر کی ہیں "فاسئلوا فافتوا بغير علم - العلم ثلاثۃ فما وراء ذلك فهو فضل آية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة - لم یزل امر بنی اسرائیل معتدلاً حتی نشأ فیہم العولدون ابناء سبا بالامم فقالوا بالرأی فضلوا واضلوا - من افتی بفتیاء غیر ثبت فانما اثمہ علی من افتاه۔"

(الف)۔ امام ابن ماجہ اس عنوان سے اہل ظاہر کی طرح ہر قسم کے قیاس کے اجتناب کو ثابت کرنا چاہتے ہیں یا کسی خاص طرح کے قیاس اور رائے سے اجتناب کو ثابت کر رہے ہیں آپ جو شق اختیار کریں احادیث تحت الباب سے اس کو ثابت کریں۔

(ب)۔ نیز خط کشیدہ الفاظ کی ایسی تشریح کیجئے جو مقصد باب کے عین مناسب ہو۔

جواب سوال ۲۱: تمام علماء امت اور فقہاء ملت قرآن و حدیث اور اجماع امت کے بعد قیاس کو بھی بالاتفاق ماخذ شریعت میں شمار کرتے چلے آئے ہیں اور اسلامی قانون سازی میں اس کی غیر معمولی اہمیت کے ہمیشہ قائل رہے ہیں کیونکہ صاحب فتاویٰ قاضی خان اور علامہ عینی کے بقول یہ ناممکنات میں سے ہے کہ ہر ہر جزئی اور تمام فروعی مسائل کی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی بیان فرمائیں اور کسی قسم کے قیاس اور تنقیح مناط کی ضرورت ہی نہ پڑے بلکہ نبی صرف اصول و کلیات اور کچھ فروعی مسائل کی مثالیں پیش کر کے ایسا آئین اور دستور امت کے حوالہ کر دیتا ہے جس کی روشنی میں حاملین شریعت کسی بھی امر پر حلت و حرمت کراہت اور استحباب کا حکم لگاتے ہیں ہمدرد رسالت میں حضرت معاذ بن جبل غزوہ بنی قریظہ اور ابن عباس کی روایت میں نذر ہمیشہ کے واقعات ہمیں اسی قسم کی مثالیں اور قیاس کی مشروعیت

۷۵

شرح اردو ابن ماجہ

کاتبہ دیتے ہیں اور اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے۔

”وإذا حكم الحاكم فاجتهد وأصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد وأخطأ فله أجر واحد“

اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عہد رسالت کے بعد عہد صحابہ اور خلافت راشدہ میں بھی قیاس برابر جاری و ساری ہے اور صحابہ و تابعین کے سینکڑوں فتاویٰ اسکی مشروعیت کا منہوا ہوا ہے۔

ہیں حضرت عمرؓ ابوموسیٰ اشعریؓ رضی اللہ عنہما کے نام اپنے ایک خط میں غیر منصوص مسائل میں عمل خائفین قیاس کرنے پر ابھار رہے ہیں اور احتیاط کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة اعرف الاشباه والامثال ثم قس الأمور عند ذلك فاعمد إلى أحبتها إلى الله واشبعها بالحق فيما تروى الحديث“

یہی وجہ ہے کہ تمام محدثین و مفسرین اور فقہار و مجتہدین اس کے جواز اور مشروعیت پر متفق ہیں اور امت میں سے معتزلہ روافض اور خوارج جیسے گمراہ فرقوں کو ہی اس کے عدم جواز اور انکار کی سوجھی اور انھوں نے صراحتاً قیاس کی تردید و تکذیب کی جب کہ اہل سنت والجماعت میں سے صرف داؤد ظاہری ہی قیاس کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ علامہ ابن عبد البر نے جامع لعلم میں صراحت کی ہے فرماتے ہیں۔

”لا خلاف بين فقهاء الامصار وسائر اهل السنة في نفي القياس في التوحيد واشباهة في الاحكام الاداؤد فانه نفاه فيهما جميعاً“

اس سلسلے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے سخت موقف اختیار کیا اور مسکونین قیاس کو علماء فقہاء کے زمرہ ہی سے خارج کر دیا اور تہذیب الاسامی میں امام الحرمین کا یہ قول نقل فرما کر

۷۵ بحوالہ دارقطنی و بیہقی دیکھئے فتح المبین ص ۳۳ ترجمہ :- ان تمام غیر منصوص مسائل میں ذرا پھونک پھونک کر قدم رکھنا جو تمہارے دل و دماغ میں خلجان پیدا کریں اور ایسے مسائل میں منصوص شبیہوں اور مثالوں پر غور کر کے قیاس کرو پھر ان قیاسی امور میں تمہارے نزدیک جو چیز حق سے زیادہ قریب اور اللہ کو زیادہ پسند ہو اسی پر مسئلہ کی بنیاد رکھو۔ ۷۵ حصول المامول

بحوالہ فتح المبین فی مکائد غیر المقلدین۔

قیاس کی مشروعیت پر آخری مہر لگا دی اور اب مزید اب کشائی گنجائش نہیں چھوڑی۔
 "قال امام الحرمین الذی ذهب الیہ من اهل التحقيق ان منکر القیاس
 لا یعدون من علماء الامة وحملہ الشریعة"
 پھر آگے فرماتے ہیں:-

"وهؤلاء ملتحقون بالعوام"

اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب فیصلہ کیجئے کہ امام ابن ماجہ جیسے فقہ عالم مطلق قیاس کی
 نفی اور اس کی مشروعیت اور جواز کا کیسے انکار کر سکتے ہیں جب کہ عہد رسالت سے آج تک تمام
 علماء اس کے قائل ہیں اور ابن عبد البر کی تحقیق کے مطابق صرف داؤد ظاہری ہی اس کے
 منکر نظر آتے ہیں۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ امام ابن ماجہ نے اپنے ترجمۃ الباب "باب اجتناب الراوی
 القیاس" میں خود اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قیاس کے سلسلے میں میرا بھی وہی مسلک
 جو جمہور علماء حق کا ہے اور میں محض اسی قیاس کی حرمت و کراہت کو بیان کر رہا ہوں جو
 شرعیہ سے قطع نظر صرف رائے پر مبنی ہوا مانگنے رائے کو مقدم اور قیاس کو اسی لئے مؤخر کیا
 ہے کہ صرف رائے کے ذیل میں آنے والا قیاس ناقابل قبول اور مردود ہے راقم سطور کی اس
 تحقیق کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عام طور پر رائے کا لفظ عربی زبان میں اسی وقت بولا
 جاتا ہے جب کہ آگے پیچھے کوئی دلیل نہ ہو اور محض نفس کے تقاضے سے کوئی اعتقاد قائم کر لیا جائے
 اور اس میں بشری زلتوں کے ساتھ ساتھ اتباع آرزو کی بھی آمیزش ہو شریعت میں اس کی
 بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من قال فی القرآن
 براہیہ فلیتبع مقعدہ من النار" نیز "من قال فی القرآن براہیہ فاصاب فقد
 اخطا" اور ایک مرتبہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسر نفسی کے طور پر خود اس کے
 فرق کو صاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

"اذا امرتکم بشئ من امر دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشئ من
 رائی فانما انا بشر"

فتح المبین ص ۳۳۳ لے ترمذی ابوداؤد ص ۳۳۳

اسی لئے امام ابن ماجہ نے اسی حکمت کے پیش نظر ترجمۃ الباب ہی میں قیاس کو معطوف اور رائے کو معطوف علیہ بنا کر اشکالات و اعتراضات کی ساری گتھیاں سلجھا دیں پھر اسی ذیل میں ایسی احادیث لائے کہ جو کچھ تھوڑا بہت تردد و تذبذب تھا، وہی بالکلیہ رفع ہو گیا۔ چنانچہ پہلی حدیث میں بغیر علم فتوے دینے اور صراحتاً رائے زنی کا تذکرہ ہے اور وہ بالاتفاق قابل مذمت ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ علم تو تین ہیں آیت محکمہ سنت قائمہ فریضہ عادلہ اسلئے ہر مسئلہ کو انیس دو علوم کی روشنی میں پرکھا جائے گا جو ان کے مطابق ہوگا وہ فریضہ عادلہ کے زمرہ میں آئے گا اور ان کے سوا باقی سبب رائے اور غیر ضروری قیاس ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں اور ان سے اجتناب لازم ہے۔

تیسری حدیث میں بھی محض رائے کی بدولت گمراہی و ضلالت و سفاہت کا ذکر ہے اور یہ وعید بھی بے علم قیاس کیساتھ مقید ہے اس سے بھی قیاس کے سلسلے میں جہور کے مسلک پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ چوتھی حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں ایک زبردست تنبیہ و وعید موجود ہے جو بغیر کسی دلیل شرعی کے مسئلہ بتائے یہاں بھی قیاس بالعلم کی کہیں مذمت و حقارت نہیں بلکہ مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ قیاس بالثبوت جائز ہے۔

(ب)۔ فریضۃ عادلۃ

فریضہ عادلہ سے وہ تمام احکام مراد ہیں جو اصول و استخراج کی بنیاد پر قرآن و سنت کا غزو و مستنبط ہوں اور پھر ان کی حقانیت پر علماء امت کا اجماع بھی ہو گیا ہو بے اصل جہلہ کے قیاس اور ان کی محض رائے زنی کے تحت قائم ہونے والی آراء پر فریضہ عادلہ کا اطلاق نہیں ہوگا کیوں کہ فریضہ عادلہ قرآن و سنت میں رسوخ ہو جانے کے بعد علم کی سب سے آخری منزل ہے جب کہ جہلہ قرآن و سنت سے ہی دامن اور اس کے ذوق و مزاج سے نا آشنا ہیں تو پھر سائل نقیبہ میں ان کی رائے اور قیاس کا کیونکر اعتبار و اعتقاد ہوگا۔ نیز ایسا ہی قیاس قابل قبول ہوگا جو فریضہ عادلہ کے زمرہ میں آتا ہو اور اس کی بنیاد ماخذ شریعت ہی ہوں اور اس اصول سے ہٹ کر اور اس زمرے سے بچ کر جو قیاس ہوگا وہ قابل اجتناب اور مردود ہوگا۔

لہم یزئل امر بنی اسرائیل محتدلا
بنی اسرائیل جب تک دین و شریعت کے سلسلہ میں علماء حق کے تابع و پیرو رہے اور جب تک
ان کی باگ ڈور علماء کے ہاتھوں میں رہی وہ اعتدال اور میانہ روی کیساتھ دین پر قائم و دائم رہے
اور ان کی پایہ استقلال میں کسی طرح کی لغزش پیدا نہیں ہوئی لیکن جب آوارہ فاحشہ عورتوں سے
انھوں نے نسل کشی کی اور ان سے نئی نسل کی بنیاد پڑی تو یہ ہیں سے ان میں سے بگاڑ و فساد کا آغاز
ہوا کیونکہ ان طوائف عورتوں کے جو جوارثات رونما ہونے لگے وہ ہو کر رہے اور ان کے نہریٹے
جراثیم اور ضرر رساں عناصر پورے طور سے ان کی نسلوں اور معاشرہ کے رگ و ریشہ میں سلج
کر گئے اور ان کی نحوست کے جہاں علوم و معارف اخلاص و عمل اور انوار برکات رخصت ہوئے وہیں
رائے زنی قیاس بلا دلیل اور جہلاء کی فاسد آراء اور اوہام باطلہ نے پورے معاشرہ کو اپنی پلیٹ میں
لے لیا اور ان کے نام و نہاد علماء نے قیاس و رائے زنی کا وہ بازار گرم کیا کہ اس کے دہیز بزدلوں
میں شریعت و امور دین چھپ کر رہ گئے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمۃ اس ترجمۃ الباب کے تحت اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس طرف توجہ
دلانا چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ کو بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی سے درس عبرت لینا چاہیے اور
بنی اسرائیل کی طرح ہر منصوص و غیر منصوص مسائل میں رائے زنی سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ جس
قوم میں بھی رائے زنی اختراع ذہنی حقیقی شریعت سے بے رخی اور تمناضائے نفس مسائل
گھڑنے کا دروازہ کھل جائے تو نہ صرف اس کا آسمانی تعلق منقطع ہو جاتا ہے بلکہ فتنہ و فساد و جنگ
و جدل اور تباہی و بربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور عیسیٰ طور پر اس قوم سے حکمت و معرفت
کو سلب کر لیا جاتا ہے اور انوار الہی و برکات سماوی سے محروم و مایوس کر دیا جاتا ہے کیونکہ رائے
اور قیاس کی بے پناہ کثرت کے موقع پر اصل شریعت پر عمل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

من احدثی غیر ثبت

یعنی جس نے بغیر کسی دلیل نقلی اور ثبوت شرعی کسی دینی مسئلہ میں محض اپنی رائے اور بے اصل
قیاس کی بنیاد پر فتویٰ دیا تو اس کا اور اس پر عامل تمام انسانوں کا گناہ اسی نام و نہاد مفتی پر
ہوگا کیونکہ جب مسائل کے استخراج اور اجتہاد کی صلاحیتوں و لیاقتوں سے وہ محروم ہے اور
شریعت کے مبادیات و اصول اور اس کی باریک بینیوں سے قطعاً ناواقف ہے تو اسکو استخراج
مسائل اور استنباط و اجتہاد کا کوئی حق نہیں پہنچتا اور ایسا اجتہاد محض رائے زنی دین کی

شان میں گستاخی اور ایک قسم کی جسارت ہے جو سراسر باطلی ناجائز اور غیر مقبول ہے اور اس سے بالکل احتراز واجب لازم ہے۔

سوال ۲۲:۔ عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
الحلم ثلاثة فمأواه ذلك فهو فضل آية محكمة أو سنة قائمة
أو فريضة عمارة۔

(الف) علوم کی انواع بہت ہیں پھر حدیث میں تین کی تحدید کیوں فرمائی گئی؟

(ب) ترجمہ الباب ”باب اجتناب الراى والقياس“ سے حدیث کی کیا مناسبت ہے؟

(ج) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کیجئے۔

جواب سوال ۲۲:۔ (الف) حدیث باب میں جو تین کی تحدید فرمائی گئی اس کی حکمت بیان کرتے

ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

”هذا ضبط وتحديد لما يجب عليهم بالكفاية“

یعنی فرض واجب کفائی کی تحدید مراد ہے۔

علامہ سید الانور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں وہ علوم مراد ہیں جو انسان

کو اخروی فلاح دلالت دیتے ہیں تو وہ صرف یہ تین ہی ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث باب میں علوم و معارف کے منابح و مشارب کی تحدید کی گئی ہو کہ اصل

الاصول علم تو صرف تین ہی ہیں باقی علوم کی متعدد و مختلف انواع انھیں تین علوم کی فروع اور

انھیں کے ذیل میں آئیوں والی متعدد شاخیں ہیں۔

(ب) حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ حدیث ”باب اجتناب الراى والقياس“ کے تحت

ذکر کی ہے حدیث اور ترجمہ الباب میں مطابقت یہ ہے کہ ان تین علوم کے علاوہ باقی سب زائد

از ضرورت اور فضول کی قبیل سے ہیں جو نہ دین میں داخل ہیں اور نہ دینی امور میں ان کی کوئی

ضرورت ہے تو ایسے غیر ضروری مسائل میں رائے زنی اور بے اصل قیاس سے اجتناب ضروری

ہے جن میں دینی نقطہ نظر سے کوئی افادیت اور کوئی منفعت نہ ہو اور ایسے ہی علم کے بارے میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللهم انى اعوذ بك من علم لا ينفع“ نیز اوداؤد کی

لے دیکھئے حجتہ اللہ البالغہ للشاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جلد اول ص ۱۷۱

ایک روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الاغلو طات" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تمام امور سے منع فرمایا کرتے تھے جو سائل مسؤل اور عام انسانوں کو پریشان کرنے کے ساتھ ساتھ دین میں کھود و گریہ اور رائے زنی کا دروازہ کھولتے ہوں کیونکہ یہی تجسس آگے چل کر رائے زنی اور گمراہ قیاس کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور بہت سی گمراہیوں اور بد اعتقادیوں کو جنم دیتا ہے اس لئے اہل تمام امور قابل اجتناب ہیں تو حدیث میں وارد "فما وراء ذلك فهو فضل" ہی ترجمہ الباب ہے نیز "فريضة عادلة" سے بھی ترجمہ الباب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس ترجمہ میں یہ روایت ذکر کر کے امام ابن ماجہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ دین میں صرف وہ ہی قیاس معتبر ہے جو معقول من الکتاب والسنہ ہو اور اس پر فريضة عادلة کا اطلاق ہوتا ہو اور اس کے علاوہ تمام آراء اور قیاس قابل اجتناب و احتراز ہے۔

آية محكمة

اج

آیت محکمہ کے تحت نماز کی مختلف تعمیرات ہیں جو ذیل میں بعینہ نقل کی جاتی ہیں:-
محشی شرح اسنہ فرماتے ہیں:-

"والآية المحكمة هي كتاب الله واشترط فيها الاحكام لان من الآي ما هو منسوخ لا يعمل به وانما يعمل بناسخه" ^۱
علامہ قاری رح آیت محکمہ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:-
"اسی غیر منسوخہ اور نہ لا یعمل الا تأویلاً واحداً" ^۲
حضرت مولانا دریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے اس ٹکڑے سے حکم مستنبط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"يجب معرفة القرآن ألفاظاً ومعرفة محكمه بالمبحث عن شرح غريبه و استنباطه من رواه وتوجيهه معصنه وناسخه ومنسوخه" ^۳
مفسر: "الناخيل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہیں مذکورہ توجیہ کو اپنے الفاظ میں اس طریق بیان کیا ہے:-

۱۔ دیکھئے شرح السنہ جلد اول ص ۲۹ ۲۔ مرقاۃ جلد اول ص ۲۱ ۳۔ التعلیق البصیر جلد اول ص ۱۵۵

شرح اردو ابن ماجہ ۸۱ مصباح الزجاجة

”المراد به كتاب الله تعالى وباحكامها ثبوتها وان لا تكون منسوخة“
 آیت محکمہ کے بارے میں تمام علماء اہی مذکورہ اقوال پر متفق ہیں جن میں صرف کتاب اللہ ہی مراد ہے۔
 سنة قائمة
 اس کی تفسیر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں :-
 ”ای ثابتة صحيحة منقولة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم معمول بها والتبويب“
 حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں :-
 ”والسنة القائمة ما ثبت في العبادات والارتفاقات من الشرائع والسنن مما يشتمل عليه علم الفقه والقائمة ما لم ينسخ ولم يهجر ولم يشذ راويه وجري عليه جمهور الصحابة والتابعين“
 اسی کی تفسیر میں محشی شرح اسنہ فرماتے ہیں :-
 ”هي اثباتة مما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم من السنن المروية“
 حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اس کی تفسیر ذرا دوسرا انداز سے فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 ”ای ثابتة اسنادا بان تكون صحيح النسبة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم“
 مذکورہ بالا تمام اقوال کو حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے محض جن الفاظ میں سمیٹتے ہوئے فرمایا :-
 ”فهي الثابتة المعمول بها“
 مذکورہ بالا اقوال سے سنت قائمہ کے تین معنی کی وضاحت ہوئی ایک یہ کہ سنداً صحیح ہوں محکم ہوں منسوخ نہ ہوں یا پھر دائم العمل ہوں دلائل کی روشنی میں پہلے دو قول زیادہ رائج ہیں ۔
 فريضة عادلة
 فريضة عادله کے تحت حضرت شاہ ولی اللہ رقم طراز ہیں :-
 ”والفريضة العادلة الا لضباء للورثة ويلحق به البواب القضاء مما سببه قطع المنازعة بين المسلمين بالعدل“
 لبذل الجہود جلد رابع ص ۱۰۲ سرقا جلد اول ص ۲۲۵ حجۃ اللہ البالغہ اول ص ۱۰۲ شرح اسنہ اول ص ۲۹۱
 لبذل الجہود جلد رابع ص ۱۰۲ التعليق الصبيح جلد اول ص ۱۵۸ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۰۲

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اس ذیل میں دو قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔
 ۱۔ ”احدها ان يكون من العدل في القسمة فيكون عبارة عن السهام والضياء المذكورة في الكتاب والسنة“

۲۔ ”دوسرا قول:-
 ”والآخر ان يكون هذه الفريضة تعدل مما اخذ من الكتاب اذا كانت في معنى ما اخذ منهما نصا“
 ملا علی قاری اس ذیل میں تین اقوال نقل فرماتے ہیں:-

- ۱۔ قيل المراد بها الحكم المستنبط من الكتاب والسنة بالقياس لمعادلة الحكم المنصوص فيهما ومساواته لهما في وجوب العمل وكونه صدقا وصوابا.
 - ۲۔ وقيل فريضة معدلة بالكتاب والسنة اى مزاكاة بهما.
 - ۳۔ وقيل الفريضة العادلة ما اتفق عليه المسلمون.
- یہ تیسرا قول عبداللہ بن عروہ سے منقول ہے۔

حضرت مولانا ادیس صاحب کاندھلوی شاہ ولی اللہ اور مولانا سہارنپوریؒ کے پہلے قول پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر فريضة عادلہ سے سہام مقدرہ کو مراد لیا جائے تو اس کے الگ ذکر کرنے میں کوئی تخصیص نہ رہے گی کیونکہ سہام تو سب قرآن و حدیث میں مذکور ہیں اس لئے وہ آیت محکمہ اور سنت قائمہ کے تحت آجائیں گے لہذا صحیح یہی ہے۔

”الفريضة العادلة هي الحكومة المقدرة المجدلة بالكتاب والسنة و هي المستنبطة بالقياس“

لہذا مولانا کاندھلوی کا قول ہی زیادہ راجح ہے۔

سوال ۲۲۳:- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ رَضِيَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَلَصَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَأَمْنُوا فَمَا مُجَادَلَةٌ أَحَدِكُمْ لِصَاحِبِهِ فِي الْحَقِّ يَكُونُ لَهُ فِي الدُّنْيَا أَشَدَّ مُجَادَلَةً مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لِوَلِيِّهِمْ فِي إِخْوَانِهِمْ

لے بئالجمود جلد رابع ص ۱۸۱ سرقاۃ اول ص ۲۲۳ لے التعانق البصیح جلد اول ص ۱۵۸ دیکھئے مظاہر حق جلد اول قسط چہارم ص ۹

الَّذِينَ أُدْخِلُوا النَّارَ قَالَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا كَانُوا يُصَلُّونَ مَعَنَا وَيُصُومُونَ مَعَنَا فَادْخَلْنَاهُمْ النَّارَ فَيَقُولُ إِذْهَبُوا فَأَخْرِجُوا مَنْ عَرَفْتُمْ مِنْهُمْ فَيَأْتُوهُمْ فَيَعْرِفُوهُمْ بِصُورِهِمْ لَا تَأْكُلُ النَّارُ صُورَهُمْ مِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ النَّارُ إِلَى أَنْصَافٍ سَاقِيَهُ وَمِنْهُمْ أَخَذَتْهُ إِلَى كَعْبِيهِ إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ.

(الف) اعراب لگا کر معنی خیر ترجمہ کیجئے۔

(ب) مومن اپنے پروردگار سے کیسے جھگڑے گا وضاحت کیجئے۔
(ج) کیا نجات کیلئے نفس ایمان کافی ہے اہل سنت و دیگر فرقوں کے مذاہب قلمبند کیجئے۔
جواب سوال ۲۳ :- (الف) اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ (حساب و کتاب کے بعد) مومنین کو نجات دیں گے اور وہ (تمام شدتوں اور سختیوں سے) مامون و محفوظ ہو جائیں گے تو (انکا اللہ تعالیٰ سے اتنا سخت مجادلہ و منازعہ ہوگا کہ) دنیا میں تم آپس میں بھی کسی حق پر اتنا نہ جھگڑے ہو گے جتنا کہ (اس روزم مومنین اپنے دوزخی بھائیوں کے بارے میں اللہ سے جھگڑیں گے مومنین (حجت پیش کرتے ہوئے) کہیں گے کہ اے خداوند قدوس تو نے ہمارے ان بھائیوں کو (آخر کس جرم کی پاداش میں) دوزخ میں ڈال دیا جو ہمارے ساتھ ہی نماز پڑھتے روزہ رکھتے اور حج کرتے تھے (ان اعمال صالحہ کی بنا پر ہم تو تیرے فضل سے جنتی بن گئے لیکن یہ کیوں دوزخ میں ڈال دیئے گئے جب کہ اعمال میں ہم دونوں مساوی ہیں) تو اللہ تعالیٰ (ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے) فرمائیں گے (اچھا جاؤ) (اپنے ان تمام بھائیوں کو بھی) دوزخ سے نکال لو جن کو تم (مومن سمجھتے اور) پہچانتے ہو پس وہ خوشی خوشی آئیں گے اور ان کی (ایمانی) صورتوں سے انھیں پہچان لیں گے کیوں کہ (ان کے ایمان کی وجہ سے) آگ نے ان کے چہروں کو (کوئی) نقصان نہ پہنچایا ہوگا تو ان میں کچھ (تو) ایسے ہوں گے جن کی صرف آدھی پنڈلیوں تک ہی آگ (اثر انداز) ہوگی اور کچھ کو ٹخنوں تک جلا چکی ہوگی الی آخر الحدیث۔

(ب) حدیث باب میں مجادلہ سے مراد یہ نہیں کہ مومنین حقیقتاً اس روز خداوند قدوس سے محاربہ و منازعہ کرنے لگیں گے بلکہ یہاں مجادلہ ضد التجار اور یہیم اصرار کے معنی میں واقع ہوا ہے کیونکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بخاری و مسلم کی روایت میں مناشدہ کے الفاظ آئے ہیں جن کے

معنی عموماً توبہ دلانا اور مطالبہ کرنے ہی کے آتے ہیں۔
تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کی بے باپیاں رحمت و شفقت کا لہو اس طرح ہو گا کہ زمینیں اپنے بجاؤں
کے بارے میں خداوند قدوس سے جھگڑا کریں گے اور ان کے دخول جنت اور خلاص جہنم کا اطرار
اور التجار کریں گے اور یہ اصرار و التجار ایک قسم کے جھگڑے ہی کی شکل ہوگی جس طرح کہ بچہ اپنے
والدین سے منازعہ و مجادلہ کرتا ہے تو وہ اس کو نہ صرف کہ کچھ کہتے نہیں بلکہ اس کی ان بچکانہ
ادائوں سے محفوظ ہوتے ہیں اسی طرح رب جلیل بھی بندوں کے اس طفلانہ اصرار و ضد اور
اور ان کے باہم اخوت و محبت کے مظاہرے پر نہ صرف یہ غضبناک نہیں ہوں گے بلکہ خوش
ہوں گے اور ان کی اس درخواست کو قبول فرمائیں گے اور تمام عاصی مسلمانوں کو جہنم سے
خلاصی نصیب فرمائیں گے۔

نیز یہ امر بھی واضح رہے کہ چھوٹے کا بڑے سے جھگڑنا اور اس سے کسی کے بارے میں ضد و
اصرار کرنا چھوٹے کی جرأت طاقت کی نہیں بلکہ اس کی مجبوری اور بڑے کی کمال رحمت و
شفقت کی دلیل ہے۔

(ج) فرق باطلہ میں مرجیہ کرامیہ اور جہمیہ کا یہ مذہب ہے کہ نجات کیلئے محض ایمان علم و معرفت اور
تصدیق ہی کافی ہے اعمال صالحہ نہ تشریط ہیں اور نہ ہی نجات کیلئے ضروری ہیں۔
ان حضرات کی دلیلیں درج ذیل ہیں:-

- ۱۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من احد يشهد ان لا اله الا الله و
ان محمداً رسول الله صدق ما من قلبه الا حرمه الله على النار (بخاری و مسلم)
- ۲۔ من شهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمداً عبده ورسوله
وان عيسى عبد الله ورسوله وان عيسى عبد الله ورسوله وابن امته
وكلته القاها الى مريم وروح منه والجنة والنار حق ادخله الله الجنة
على ما كان من العمل (بخاری و مسلم)
- ۳۔ ما من عبد قال لا اله الا الله ثم مات على ذلك الا دخل الجنة قلت وان
زني وان سرق قال وان زني وان سرق ثلثاً (بخاری و مسلم)
- ۴۔ عن عباد بن صامت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من شهد
ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله حرمه الله على النار (مسلم)

۵ - عن جابر رضي قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات يشرك بالله شيئاً دخل النار ومن مات لا يشرك بالله شيئاً دخل الجنة (مسلم).

۶ - من مات وهو يعلم انه لا اله الا الله دخل الجنة (مسلم).

اہل سنت والجماعت کے نزدیک اوائل و اہل میں نجات کیلئے اعمال صالحہ ضروری ہیں اور ان کے بغیر اوائل و اہل میں محض ایمان کی بنیاد پر نجات نہ ہو سکے گی جب کہ نجات عن الخلود کیلئے صرف ایمان و تصدیق ہی کافی ہے۔ حضرت مولانا ریاست علی صاحب چند درج بالا احادیث نقل کرنے کے بعد اسی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں:-

معلوم ہوا کہ نجات عن الخلود کیلئے صرف تصدیق بھی کافی ہے ہاں اگر اول دخول کی طلب ہے تو اس کیلئے اعمال کی بھی ضرورت ہوگی کیونکہ نجات عن الخلود کے لئے تو تصدیق کا دھندلا سا نقش بھی کافی ہے۔ جب قیامت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارش کی اجازت دی جائے گی تو ارشاد ہوگا جس کے قلب میں جو کے برابر ایمان ہے اسے نکال لو جس کے دل میں گیموں کے برابر ایمان ہے اسے نکال لو تا آنکہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو اسے نکال لو چنانچہ ان تمام لوگوں کو نکالنے کے بعد اعلان ہو جائے گا کہ اب ان لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو جنت میں آنے کا مستحق ہو اس کے بعد حق جل مجدہ فرمائینگے اب ہمارا نمبر ہے اور خداوند قدوس ان لوگوں کو نکال لیں گے جن کے پاس تصدیق تو تھی مگر عمل کی روشنی بالکل نہ تھی یہ لوگ اپنے پاس تصدیق کا اتنا دھندلا نقش رکھتے تھے جس کو پیغمبر علیہ السلام کی نگاہ بھی نہ دیکھ سکی اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا ایک وہ بھی درجہ ہے جو صرف نبی عن النار ہے۔

اہل سنت والجماعت ان حضرات کی تمام دلیلوں کو دوسری دلیلوں کی روشنی میں جانچنے اور پرکھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ درج بالا تمام احادیث میں خلود فی النار کی نفی ہے اوائل و اہل میں دخول جنت کی ضمانت نہیں لہذا ان کا استدلال درست نہیں۔

سوال ۲۲ :- عن جندب قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فتيان

لہ دیکھئے ایضاً البخاری الجز الثانی ص ۱۳۵-۱۳۴

حَزَارُونَ مَنَّا الْإِيمَانُ قَبْلَ أَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فَازِدْنَا بِهِ إِيْمَانًا.

(الف) حدیث شریف کا مطلب خیر ترجمہ کیجئے۔
(ب) ایمان کے سلسلے میں متعدد مذاہب مع دلائل نقل کرنے کے بعد بتائیں کہ ایمان کی زیادتی کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟

(ج) اگر "لا یزید ولا ینقص" کو حقیقہ کا مذہب تسلیم کر لیا جائے تو بتائیے کہ حضرات حنفیہ اس حدیث کا کیا جواب دیں گے؟

(د) ایمان و اسلام کے فرق کی وضاحت کیجئے۔

جواب سوال ۲۴ :-

(الف) حضرت جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نو عمری اور عنفوان شباب ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (آپ کے تعلیمی حلقوں میں شریک رہتے) تھے تو اس دوران ہم نے قرآن سیکھنے سے پہلے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) ایمان سیکھا پھر (جب ہم نے قرآن سیکھا تو اس سے) (ہمارے) ایمان میں (مزید) اضافہ ہوا۔

(ب) ایمان کے سلسلے میں ذیل میں متعدد و مختلف مذاہب نقل کئے جاتے ہیں :-

۱- فرقہ مرجیہ کے نزدیک ایمان بسیط ہے اور وہ محض تصدیق قلبی ہے اسلئے بندے میں حقیقت بسیطہ موجود ہونے کی وجہ سے اب ایمان کیلئے اقرار باللسان کی بھی شرط نہیں اور ان حضرات کے نزدیک اعمال صالحہ کی افادیت اور اعمال سیئہ کی مضرت بھی کوئی حقیقت نہیں بلکہ محض تصدیق کی حالت میں بھی بندہ ان تمام وعدوں اور بشارتوں کا مستحق و مخاطب ہے جو قرآن و حدیث میں مومنین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں "وان زنی وان سرق" جیسی تمام احادیث ان لوگوں کی دلیل ہیں۔

۲- دوسرے فرقہ کرامیہ کے بارے میں علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فانہم زعموا ان الاقرار باللسان یکنفی للنجاۃ "یعنی ایمان محض اقرار باللسان کا نام ہے چاہے یہ اقرار تصدیق قلبی کیساتھ ہو یا اس کے بغیر ہو دونوں صورتوں میں کامل مومن قرار دیا جائے گا" من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة "جیسی تمام احادیث سے یہ استدلال کرتے ہیں جن میں محض اقرار کی صراحت ہے اور معرفت و تصدیق کا کوئی تذکرہ نہیں۔

۳- فرقہ جہمیہ اس بات کا قائل ہے کہ ایمان محض علم و معرفت ہے اور تصدیق و اقرار کی کوئی ضرورت نہیں اذکان العلم والمعرفة فی قلبه فهو مؤمن کامل الايمان - من مات وهو يعلم انه لا اله الا الله دخل الجنة وغيره یہ بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔
۴- خوارج اور بعض معتزلہ کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی اقرار باللسان اور عمل بالجوارح سے مرکب ہے لہذا ان تین میں کسی ایک کا بھی تارک ان کے نزدیک کافر ہے اور مرکب کبار بھی کافر و مرتد کے حکم میں ہے "لا یزنی الزانی حین یشنی وهو مؤمن" وغیرہ ان حضرات کی دلیلیں ہیں۔

۵- معتزلہ کی اکثریت بھی ایمان کو تصدیق قلبی اقرار باللسان اور عمل بالارکان سے مرکب مانتی ہے لیکن مرکب کبار اور ان امور ثلاثہ کے تارک کو وہ اسلام سے تو خارج مانتے ہیں مگر کفر میں داخل نہیں کرتے کیونکہ توحید موجود ہے بلکہ وہ اسلام اور کفر کے درمیان ایک درجہ و منزل کے قائل ہیں لہذا ایسے تارکین و مرکب کبار کو وہ اسی درجہ کی فہرست میں شمار کرتے ہیں۔
۶- مذکورہ مذاہب میں کچھ تو افراط پر اڑے ہوئے ہیں اور کچھ تفريط کا شکار ہیں اور دونوں ہی گمراہیوں کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں اس لئے صحیح مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے ان حضرات میں بھی دو فرق ہیں:-

۱- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جمہور فقہاء اور بعض متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے اور وہ تصدیق قلبی ہے لیکن اقرار باللسان اس کیلئے شرط ہے اور اعمال بالجوارح مکمل ایمان میں اس کے اجزاء نہیں اور تارک اعمال نیز مرکب کبیرہ فاسق ہے کافر نہیں۔

۲- حضرات شوافع فقہاء محدثین اور جمہور امت اس طرف گئے ہیں کہ ایمان تصدیق قلبی اقرار باللسان اور اعمال بالجوارح سے مرکب ہے اور ان امور ثلاثہ کا تارک فاسق ہے کافر نہیں۔

"بنی الاسلام علی خمس النخ" اور "الايمان بضع وثلاثون شعبه" وغیرہ جمہور امت کی دلیلیں ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں فرق حق کے مذہب کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں:-

"بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں میں بالکل تضاد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کے درمیان جو بسیط و مرکب ہونے میں اختلاف ہے یہ

صرف لفظی ہے اور تعبیرات کا فرق ہے وہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان اس لمحہ سے مرکب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”بنی الاسلام علی خمس النہ“ اور ”الایمان بضع وثلاثون شعبۃ النہ“ وغیرہ وغیرہ اور حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں یہ سب ایمان کے مکملات ہیں اختلاف لفظی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ احناف یہ نہیں کہتے کہ تارک اعمال سیدھا جنت میں جائیگا جیسا کہ مرجیہ کا عقیدہ ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائیگا پھر اس کے بعد اس کو نجات ملے گی اور حضرات محدثین و شافعیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ تارک اعمال جہنم میں جائیگا مگر مغلذ فی النار نہیں ہوگا تو دونوں کے قول کا مال ایک ہی نکلا

جب دونوں کا مقصد و مذہب یکساں ہے اور محض تعبیرات الفاظ کا فرق ہے تو پھر دونوں ایک ہی تعبیر استعمال کیوں نہیں کی تاکہ ان حضرات پر اعتزال اور ہم پر ارجار کا الزام عائد نہ ہوتا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:- ”ان اہل حق کا مقابلہ ہر دور میں فرق باطلہ سے رہا ہے اور ان حضرات نے ہمیشہ زمانہ کی مصلحتوں کی رعایت کرتے ہوئے ان کا رد کیا ہے چنانچہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے دور میں معتزلہ کا اثر تھا انتہا یہ کہ حکومت کا مسلک بھی اعتزال تھا امام اعظم نے تقاضائے عصر کے اعتبار سے معتزلہ کی پوری مخالفت کی۔ معتزلہ نے

۱۔ دیکھئے تقریر بخاری جلد اول ص ۱۱۰ ایمان کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص ۶۱۲ روح المعانی جلد اول ص ۹۵-۹۶ الکوئیل لدی جلد ثانی ص ۱۱۰ کا حاشیہ نمبر ۷ ترجمان السنہ جلد اول ص ۴۹ انوار الباری جلد دوم ص ۱۳ تقریر بخاری جلد اول ص ۹۹ ایضاح البخاری جلد ثانی ص ۱۲۹ درس بخاری جلد اول ص ۱۱۰ مرقاۃ المفاتیح جلد اول ص ۲۲ تحفۃ الاحوذی جلد ثالث ص ۳۵ التعلیق البصیح جلد اول ص ۱۱۰ مظاہر حق جدید جلد اول قسط دوم ص ۵۰ مسلم شریف ثانی ص ۵۰ فتح الباری جلد اول ص ۲۳ فیض الباری اول ص ۴۲ فتح الملہم جلد اول ص ۱۵۱ تا ص ۱۶۱ شرح السنہ جلد اول ص ۳۱۳ کشف الحجاب ص ۹۳ تنظیم الاشتات اول ص ۳۱ اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ ”کتاب الایمان“ کے عنوان سے تصنیف کیا ہے جو سعودی عرب سے ماضی قریب ہی میں چھپا ہے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

اعمال کو جزا ایمان بتایا تو امام نے انہیں ایمان ہی سے خارج کر دیا اور جب امام شافعی علیہ الرحمہ کا دور آیا تو کرامیہ سے مقابلہ تھا اسلئے امام شافعی نے فرمایا تم اعمال کو ایمان سے بالکل بے تعلق بتلاتے ہو میں کہتا ہوں کہ اعمال داخل ایمان ہیں اور اگر اعمال نہ ہوں تو ایمان خطرے میں آجاتا ہے۔
حضرات محدثین اور جمہور امت ایمان میں کمی زیادتی کے قائل ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے :-

- ۱- واذا قلت علیہم آیاتہ زادتهم ایمانا۔
 - ۲- فزادهم ایمانا۔
 - ۳- فمنهم لمن يقول ایکم زادته هذه ایمانا۔
 - ۴- فاما الذين آمنوا فزادتهم ایمانا۔
 - ۵- ویزداد الدین آمنوا ایمانا۔
 - ۶- ولیزدادوا ایمانا مع ایمانهم۔
 - ۷- وما زادوهم الا ایمانا وتسليماً۔
- حضرات خفیفہ کے نزدیک ایمان کمی زیادتی کو قبول نہیں کرتا یہی قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جانب منسوب و مشہور ہے لیکن صاحب ایضاح البخاری اس کی تردید کرنے ہوئے فرماتے ہیں :-
”اصل تو یہ ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمہ سے ”لا یزید ولا ینقص“ کا ثبوت ہی دشوار ہے کیوں کہ جن تصانیف پر اعتماد کر کے اس قول کی نسبت امام علیہ الرحمہ کی طرف کی گئی تحقیق کی روشنی میں امام علیہ الرحمہ کی جانب غلط مثلاً فقہ اکبر امام علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ہے لیکن سچ یہ ہے کہ یہ امام کے تلمیذ ابو مطیع بلخی کی تصنیف ہے جو فقہاء کی نظر میں بلند مرتبہ ہے لیکن محدثین کی نگاہ میں کمزور ہے اسی طرح العالم والتعالیم الوصیہ اور واسطین امام اعظم علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ تک ان کی نسبت کی صحت میں کلام ہے۔“
علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فیض الیاری میں یہی تصریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس

لے دیکھئے ایضاح البخاری جز ثانی ص ۱۳۴ لے ایضاح البخاری جز ثانی ص ۱۳۷

وضاحت کی روشنی میں قریب تھا کہ میں ”الایمان لایزید ولا ینقص“ کی امام کی طرف نسبت کا صاف انکار کر دیتا مگر بروقت مجھے ابو عمر و مالکی کی شرح موطاء میں یہ تصریح ملی کہ انھوں نے بھی یہی بات کہی ہے اور اس قول کو امام اعظم کے استاذ حماد کی جانب منسوب کیا ہے لہذا صحیح بات یہی ہے کہ ”لایزید ولا ینقص“ احناف کا ثابت شدہ مذہب ہے اور فی الحقیقت یہی مذہب صحیح ہے کیونکہ مولانا ساجد صاحب بستوی کے الفاظ میں ”ایمان تو فی الاصل الشریکۃ“ ایک عہد ہے اور عہد کسی قسم کی کمی زیادتی کا متحمل نہیں ہوتا۔

(ج) حضرات حنفیہ کی زیادتی کے ایسے تمام دلائل اور حدیث باب کے متعدد جواب دیئے ہیں :-
۱۔ ایک جواب تو یہ ہیکہ گذشتہ آیات اور حدیث باب میں اصل ایمان کے اعتبار سے زیادتی و کمی مراد نہیں بلکہ کمال ایمان کے لحاظ سے زیادتی و نقص مراد ہے کیونکہ بقول علامہ سید انور شاہ کشمیری اور علامہ عثمانی کے کہ زیادتی و نقصان کے قائلین بھی خود کمال ایمان کی زیادتی و نقصان کے قائل ہیں۔

۲۔ دوسرا جواب فتح الملہم میں اس طرح دیا گیا ہے کہ درج بالا تمام دلائل میں نور ایمان کی کمی و زیادتی مراد سے اصل ایمان کی نہیں اور اس نور کی شریعت میں بہت سی نظائر موجود ہیں مثلاً ”افمن شرح اللہ صدرہ للإسلام فهو علی نور من ربہ“ تو آیت مذکورہ میں شرح صدر سے اعمال صالحہ کی توفیق دینا ہے اور ان اعمال صالحہ ہی سے نور ایمان کی شعاعیں اور کرنیں پھوٹتی ہیں جو حالات و زمانے اور بندوں کی کیفیات ایمانیہ کی بناء پر مدہم اور تیز ہوتی رہتی ہیں۔

۳۔ تیسرا جواب حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی نے حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جس طرح تصدیق الجنان بمالابدن تصدیقہ پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث جبریل ”ان تو من باللہ الخ“ میں کیا گیا اسی طرح حلاوت و بشاشت اور سکینت طمانیت پر بھی ایمان کا اطلاق ہوتا ہے اور قرآن کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں جیسا کہ ”و انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین“ اور ”فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المؤمنین“ وغیرہ لہذا درج بالا آیات اور حدیث باب میں اسی طریقہ پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے حقیقتاً نہیں۔

(۵) ”قالت الاعراب آمنوا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا“ اور ”ان کنتم آمنتم

بالله فعلیه توکلوا ان کنتم مسلمین "نیز حدیث "ای افعال افضل فقال الاسلام
فقال ای الاسلام افضل فقال ۱۴ الایمان " وغیرہ جیسی نصوص سے ایمان و اسلام میں
فرق محسوس ہوتا ہے اسی بناء پر علماء سے دونوں کی الگ الگ تعریفات مروی ہیں۔
شیخ محی الدین ابن العربی فرماتے ہیں :-
"الاسلام عمل والایمان تصدیق"

اسی کو مولانا ادریس کاندھلوی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

"الایمان عبارة عن التصديق بالقلب فقط والاسلام عبارة عن التسليم
بالقلب والعمل بالاركان"

حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرمادے کہ انداز سے ان دونوں کا فرق بیان کرتے ہیں
"فالاسلام على جوارحه لم يسر ذلك الى باطنه والایمان في قلبه
ولم يرق هذا الى ظاهره"

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایمان خاص ہے اور اسلام عام ہے تو اس صورت میں
معنی یہ ہوئے کہ اسلام کے لب لباب اور عمدہ ترین اجزاء کا نام ہی ایمان ہے۔
علامہ خطابی اور علامہ عینی کی بھی تقریبات یہی رائے ہے لیکن علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے شرح
احیاء العلوم میں ایمان و اسلام کے خصوص و عموم کی تردید کی ہے واللہ اعلم۔
اس سلسلے میں علامہ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں فیصلہ کن
انداز میں فرماتے ہیں :-

"والحق ان الایمان عبارة عن التصديق كقوله تعالى وما انت
بمؤمن لنا ای بمصدق والاسلام عبارة عن التسليم و
للتصديق محل خاص وهو القلب واما التسليم فانه عام في القلب
واللسان والجوارح فكل تصديق تسليم وليس كل تسليم
تصديق فموجب اللغة ان الاسلام اسم والایمان اخص"
حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام نے اپنی اس عبارت میں ایمان و اسلام کے فرق کو بیان کرنے

لے دیکھے التعلیق لصیغ جلد اول ص ۱۴۷ ایضاً ص ۱۴۷ فیض الباری جلد اول ص ۴۹

کیساتھ ساتھ ہماری مذکورہ تشریح اور علماء کرام کے تمام اقوال کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے اور اس
زوردار فیصلہ کیساتھ اب مزید لب کشائی کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

سوال ۲۵۔ حدثنا سہل بن ابی سہل و محمد بن اسماعیل قالا حدثنا
عبد السلام بن صالح أبو الصلت الهروی ثنا علی بن موسی الرضی
عن أبیه عن جعفر بن محمد عن أبیه عن علی بن الحسن عن أبیه
عن علی بن ابی طالب رضی قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الإيمان
معرفة بالقلب وقول باللسان وعمل بالأثر كان

(الف) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اشیاء ثلاثہ کے مجموعہ کا نام ہے قائلین بساطت ایمان
اس حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں اور اپنا مسئلہ کیا پیش کرتے ہیں؟

(ب) معرفت قلب اور تصدیق میں کیا فرق ہے وضاحت کیجئے۔
(ج) اس حدیث کی سند پر ائمہ حدیث نے جو کلام کیا ہے اس کو بھی تحریر فرمائیے۔

جواب سوال ۲۵۔

(الف) قائلین بساطت ایمان حدیث باب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ایمان کامل تین اشیاء سے ہوتا ہے
یعنی محض ایمان تو تصدیق قلبی سے حاصل ہو جاتا ہے لیکن لاجراء الاحکام الدنیویہ اس کے
ساتھ اقرار باللسان شرط ہے اور اعمال بالجوارح سے اس کی تکمیل ہوتی ہے حدیث باب میں تکمیل
ایمان ہی مراد ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایمان اشیاء ثلاثہ سے مرکب ہے۔
قائلین بساطت ایمان کی دلیلیں درج ذیل ہیں:-

۱۔ اولئك كتب في قلوبهم الايمان ولكن الله حبب اليكم الايمان وزينه
في قلوبكم .

۲۔ وقلبه مطمئن بالايمان .

۳۔ يخرج من النار من كان في قلبه مثقال ذرة من الايمان .

۴۔ هل شقت قلبه

وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر ایمان مرکب ہوتا تو نسل ایمان قلب نہیں بلکہ یہ تمام اشیاء ثلاثہ ہوتیں
جب کہ آیات اور حدیث میں صراحتاً ایمان کی نسبت قلب کی طرف کی گئی ہے جس سے ایمان
کے بسیط ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے۔

(ب) معرفت قلب اور تصدیق کا فرق بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

”ولیس بتصدیق الا ان یكون اختیارا“ اور ”مع تسليم فلیس بعلم ولا معرفة يتعلق بالمخیبات“ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کو ذرا بسیط پیرائے میں بیان کرتے ہیں :-
 ”فان كان حاصلًا بالقصد والاختیار بحيث یستلزم الاذعان والقبول فهو تصدیق لغوی وان لم یکن كذلك کمن وقع بصره على شئ فعلم انه جسدا مثلا فهو معرفة یقینیه ولیس بتصدیق لغوی“

یعنی معرفت قلب اور تصدیق میں فرق ہے کہ معرفت محض حق کو جاننے اور پہچاننے کا نام ہے اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ اس حق کی تصدیق بھی کی جائے جیسا کہ عہد رسالت کے ہودا اور طالب اور ہرقل کو معرفت قلب حاصل تھی لیکن تصدیق سے وہ محروم رہے جب کہ تصدیق میں ضروری ہے انسان حق کو پہچان کر اس کی تصدیق کرے اور اس کی حمایت میں سرگرم ہو جائے یہی یمن کا نام ہے اور اسی کے متعلق علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان جان لینے کا نام ہے بلکہ مان لینے کا نام ایمان ہے ۔

(ج) اس حدیث کی سند پر حضرات محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل نے زبردست کلام کیا ہے کیوں کہ اس کے طبقہ روایت میں ایک راوی ابو الصلت عبد السلام بن صالح موجود ہیں جن پر محدثین اشکال کرنے کیلئے قطعاً تیار نہیں ہیں اب ہم ذیل میں ابو الصلت کا تعارف اور ان کے کردار کی وضاحت کیلئے محدثین کے متعدد اقوال نقل کر رہے ہیں :-

- ۱۔ قال العقیلی (فی ابی الصلت) انه کذاب۔
- ۲۔ قال ابن الجوزی فی هذا الحدیث ”موضوع و ابو الصلت عبد السلام بن صالح متهم لای جوز الاحتجاج به“
- ۳۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں ابو الصلت کے بارے میں امام دارقطنی

لے دیکھئے فیض الباری جلد اول ص ۳۵ بدر الساری لہ ملاحظہ ہو روح المعانی جلد اول ص ۹۵

- رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے "قال الدارقطني (فی ابی الصلت) رافضی حدیث منهم بوضع حدیث "الايمان اقرار بالقول" امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "تہذیب" میں امام دارقطنی کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے "قال ابو الحسن (ابی دارقطنی) وروی حدیث الايمان اقرار بالقول وهو منهم بوضعه لم يحدث به الامن سبق منه فهو الابتداء فی هذا الحدیث"
- ۴۔ علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الديباجة فی شرح سنن ابن ماجه" میں فرماتے ہیں (هذا الحدیث) "موضوع"
- ۵۔ علامہ ابن رجب زبیری نے بھی اپنی شرح "شرح سنن ابن ماجه" میں اس حدیث کے موضوع ہونے میں ابن جوزی سے اتفاق کیا ہے۔
- ۶۔ ان تمام آراء کے پیش نظر علامہ سندھی علیہ الرحمہ یہ فیصلہ فرماتے ہیں "استناد هذا الحدیث ضعيف لاتفاقهم على ضعف ابی الصلت"
- ۷۔ اس کے برخلاف علامہ سیوطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں "والحق انه ليس بموضوع وابو الصلت وثقه ابن معين رح وقال ليس ممن يكذب"
- ۸۔ علامہ سیوطی نے جہاں اس حدیث کی صحت میں ابن معین کی توثیق کا سہارا لیا ہے وہیں تہذیب الکمال سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے کیوں کہ اس میں اس حدیث کے بہت شواہد و متابعات جمع کئے گئے ہیں۔
- ۹۔ ہمارے محترم استاذ حضرت مولانا ریاست علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے دورانِ درس اس حدیث پر بیسٹ کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ جو چاشنی حلاوت و فصاحت عموماً حدیث میں ہوتی ہے وہ اس میں بالکل نہیں ہے بلکہ یہ عبارت محدثین کے ذوق کے مطابق ایمان سے مستقل سلف کے عقیدہ کی تعبیر معلوم ہوتی ہے اسلئے ابوالصلت پر کی گئی بدترین جرح اور الفاظِ روایت کے دروبست پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ روایت کا درجہ کیا ہو سکتا ہے؟
- دور حاضر کے جلیل القدر محدث حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی (پاکستان) اپنی کتاب "ماقتس اليه الحاجه لمن يطالع سنن ابن ماجه" میں ان مذکورہ اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بھی رائج قول امام دارقطنی ہی کا ہے کیونکہ حافظین

(ابن حجر ذہبی) نے قول دارقطنی کو نقل کرنے کے بعد اس کی بالکل تردید نہیں کی۔
احقر کی سمجھ میں بھی یہ بات آتی ہے کہ ذہبی اور ابن حجر جیسے معتدل ناقدین کا اتنی سخت ترحیح کو
برداشت کر جانا اور تردید نہ کرنا اس کے موضوع ہونے اور اہل الصلت کے ناقابل اعتبار ہونے
کی جانب ایک واضح اشارہ ہے۔

سوال ۲۶: طائوس یقول سمعت ابا هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اخرج آدم وموسى فقال له موسى يا آدم انت ابونا خيبتنا واخرجتنا من الجنة بذنبك فقال له آدم يا موسى اظطفك الله بكلامه وخط لك التوراة بيده ائتروني على امر قدّر الله عليّ قبل ان يخلقني بأربعين سنة فخرج آدم موسى الخ
(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) کیا ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر کا سہارا لینا درست ہے اگر ہمیں نو آدم علیہ السلام
نے کیوں لیا؟

(ج) آدم و موسیٰ کے زمانوں میں یوں بعید پایا جاتا ہے پھر یہ منظرہ کس طرح ہوا؟

جواب سوال ۲۶: (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔
حضرت طائوسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب
یہ خبر دیتے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بازن خداوندی) حضرت آدم و موسیٰ نے
(باہم) بحث و مناظرہ کیا تو موسیٰ نے (پہل کرتے ہوئے) کہا کہ اے آدم آپ (ہی) ہمارے
(تمام انسانوں کے) باپ ہیں (تو اس اہبت کا آپ نے یہ صلہ دیا) کہ ہمیں خائب و خاسر کیا اور
اپنے گناہ کی پاداش میں ہمیں جنت سے نکلوا دیا آدم نے (فوراً جواب دیتے ہوئے) کہا اے
موسیٰ (تم کو اللہ نے نبی بنایا اور) اپنی ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا (کلیم اللہ کے عظیم شرف سے
نوازا) اور تمہاری (جانب نازل کی جانے والی) توراة کو اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا تو
(ان تمام الہامی علوم اور معرفت قدر ہوئے بھی) تم مجھے اس پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ
نے میری پیدائش سے چالیس سال قبل ہی (میرا) مقدر فرما دیا تھا پس (اپنے اس معجزانہ
جواب سے) آدم و موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے ”فخرج آدم موسى الخ“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے تین مرتبہ فرمایا:۔

(ب) ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر کا سہارا لینا نہ صرف یہ کہ درست نہیں بلکہ بدترین گناہ ہے کیونکہ اگر تمام عاصی اور جرائم پیشہ لوگ اپنے آپ کو معصوم اور بے گناہ ثابت کرنے کیلئے تقدیر کا سہارا لینے لگیں اور اپنے تمام جرائم اور افعال سیئہ کو محض تقدیر کا نتیجہ قرار دیکر اکتسابِ کسب سے سے انکار کر دیں تو قانونِ عالم کے ساتھ یہ بدترین مذاق ہوگا اور شریعت اسلامیہ کی حدود و تحذیرات بالکل بے معنی ہو کر رہ جائیں گی۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر سے سہارا لینے کی دو قسمیں ہیں:

- ۱- ایک تو یہ کہ معاصی پر جری ہونے اور اپنی شہرہ مندی مٹانے کیلئے اس فعلِ شیع کو تقدیر سے منسوب کر دیا جائے اور اپنے آپ کو تقدیر کے تابع بنا کر بے قصور ثابت کیا جائے تو یہ عظیم ترین گناہ ہے۔
- ۲- دوسرے یہ کہ توبہ و استغفار اور زنا دامت کے باوجود قلب مطمئن نہ ہو تو مسئلہ تقدیر سے سہارا لے کر دل کو کچھ تسلی دے لی جائے تو یہ امر محسن ہے۔

اب آدم علیہ السلام پر ہونے والے اشکال کا جواب دیتے ہوئے علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”اجیب بان الممنوع انما هو ما کان فی دار التکلیف و تلك المناظره وقعت بعد الخروج عنه“

یعنی ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر کا سہارا لینے کی مانعت اس دار التکلیف میں ہے اور یہ مناظرہ دار التکلیف سے رحلت فرمانے کے بعد واقع ہوا لہذا عالم برزخ میں تقدیر کا سہارا لینے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مولانا عبدالغنی مجددی علامہ نووی ملا علی قاری اور مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم سے بھی یہی جواب منقول ہے۔

احقر عرض گزار ہے کہ اس دار التکلیف میں رہتے ہوئے آدم علیہ السلام نے بھی تقدیر کا سہارا نہیں لیا تھا بلکہ بلا پس و پیش اپنی لغزشوں کا اعتراف کرتے ہوئے رب جلیل کے حضور میں ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔

”ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين“

لے دیکھئے فیض الباری جلد چہارم ص ۲۸۱ لے ایضاً ص ۲۸۱

- (ج) علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "ارشاد الساری" میں اس مکالمہ کی متعدد صورتوں کا ذکر فرمایا ہے ذیل میں ہم ان صورتوں کو مزید تشریح کیساتھ اپنے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:-
- ۱- علامہ کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دنیاوی زندگی میں رب جلیل نے آدم علیہ السلام کو زندہ فرمادیا یا محض ان کی روح کو دنیا میں بھیج دیا گیا اس طرح دونوں حضرات کی ملاقات ہو گئی۔
 - ۲- حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی روح کو منجذب کر کے اس عالم میں پہنچا دیا گیا ہو جہاں حضرت آدم علیہ السلام موجود تھے۔
 - ۳- بعض اہل علم کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دنیاوی زندگی میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے تمام ظاہری و دنیاوی جمادات اٹھادیے گئے اور دونوں کو ملاقات کا موقع دیا گیا۔
 - ۴- کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں نے یہ ملاقات بقدرۃ اللہ خواب ہی میں کر لی کیوں کہ انبیاء کا خواب وحی کے قائم مقام ہوتا ہے جب کہ بعض حضرات کی یہ تحقیق ہے کہ معراج کی رات کو یہ مکالمہ ہوا۔
 - ۵- علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مکالمہ اب تک واقع ہی نہ ہوا ہو اور عالم آخرت میں محشر میں وقوع پذیر ہوا ہو اور جہاں تک اس اعتراض کا سوال ہے کہ اس پورے واقعہ کو ماضی کے صیغوں کے ساتھ کیوں بیان کیا گیا جو زمانہ گزشتہ پر دلالت کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ صیغہ ماضی زمانہ گزشتہ پر ہی دلالت کرے بلکہ اس وقت وہ محقق اور وقوع پذیر امر پر یقین کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور استقبال کے معنی دیتا ہے جیسے "ونادی اصحاب الجنة اصحاب النار۔ وقال الشیطن لہما قضی الامر قالوا لہم نلک من المصلین" وغیرہ۔
 - ۶- علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلہ میں علامہ عینی کے ساتھ ہیں۔
 - ۷- محدث کبیر علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد عالم برزخ میں یہ ملاقات روحانی طور پر ہوئی علامہ قاسمی کی بھی یہی رائے ہے۔

۱۔ دیکھئے قسطلانی جلد ہفتم صفحہ ۱۹۔ ۲۔ تنظیم الاشتات جلد اول صفحہ ۳۔ دیکھئے بخاری جلد ثانی صفحہ ۹۷۹ کا حاشیہ نمبر ۶۔

ملا علی قاری اس توجیہ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عند ربہما کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ یہ منظرہ عالم علوی میں روحانی ہی ہوا ہے۔

احقر کی ناقص رائے بھی یہی ہے کہ مذکورہ بالا توجیہات کے باورن ہونے کے ساتھ ساتھ ابن عبد البر کی توجیہ زیادہ رائج قرین قیاس اور مؤید بالا حدیث ہے۔

سوال ۲۷۰ :- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ دُعِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جَنَازَةٍ عَلَامٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ طَوِّبِي لَهُذَا عَصْفُورٍ مِنْ عَصَافِرِ الْجَنَّةِ لَمْ يَحْمَلِ السُّوءَ وَلَمْ يُذْكَرْهُ وَقَالَ ۴ أَوْ غَيْرُ ذَلِكَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ .

(الف) اعراب لگا کر معنی خیر ترجمہ کیجئے۔
(ب) مشرکین کے نابالغ بچوں کے سلسلے میں اہل سنت و دیگر فرقوں کے مذاہب مدلل قلمبند کرتے ہوئے ان فرقوں کے دلائل کا مسکت جواب بھی تحریر فرمائیے۔

جواب سوال ۲۷۰ :- (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔
ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انصار کی بچہ کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے بلایا گیا تو (اس موقع پر) میں نے کہا اے اللہ کے رسول اس (لڑکے کے لئے) راحت و سکون کی (بشارت ہے) (اور وہ توفی الحقیقت) جنت کی ایک چڑیا ہے (کیونکہ) اس نے (کوئی) برا عمل تو کیا ہی نہیں اور نہ (مکلف ہونیکا) زمانہ ہی پایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تنبیہ کرتے ہوئے) فرمایا عائشہ! کیا اس بچے علاوہ (مزید) بڑھکر

۱۔ مرقاة جلد اول ص ۱۲۳۔ اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے التعلیق الصبیح للکاتب الحلوی جلد اول ص ۴۶-۴۷۔ مرقاة المفاتیح للقاری جلد اول ص ۱۲۰۔ بخاری شریف جلد ثانی ص ۹۹ کا حاشیہ ۴۔ فیض الباری جلد چہارم ص ۲۰۵-۲۰۶۔ ترجمان السنہ جلد سوم ص ۶۰۔ شرح عقیدۃ الطحاوی ص ۶۰۔ تحفۃ الاحوذی جلد سوم ص ۱۹۶-۱۹۵۔ کشف الحاجہ ص ۱۶۶۔ فتح الباری جلد ششم ص ۳۰۳۔ نظامہ ابن قیم نے احتجاج آدم و نوح پر بڑا بسیط کلام کیا ہے سیر حاصل بحث کیلئے دیکھئے کتاب شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل لابن قیم ص ۱۳ تا ۱۹۔

کچھ کہو گی یا اسی پر بس کرتی ہو یعنی تمہیں بے سوچے سمجھے فیصلہ نہیں کرنا چاہیے (پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) حقیقت حال کی وضاحت کرتے ہوئے (کہا اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق کو جنت کیلئے پیدا فرمایا (اور ان کیلئے جنت اسی وقت تھوڑ کر دی گئی) جب کہ وہ اپنے آباد اجداد کی پشت ہی میں تھے (اسی طرح) اللہ تعالیٰ نے جہنم کیلئے کچھ انسانوں کو پیدا فرمایا جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت ہی میں تھے (اور انھوں نے کوئی نافرمانی و معصیت بھی نہیں کی تھی)۔

(ب) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولاد مشرکین میں اصل الاصول تین مذاہب ہیں۔
۱۔ امت کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ اطفال مشرکین کے بارے میں کچھ کہنا اور انھیں جنتی یاد دہانی قرار دینا قطعاً صحیح نہیں بلکہ اس مسئلہ میں توقف اور کف لسان کرنا چاہیے کیونکہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا سی المشرکین کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے توقف کرتے ہوئے فرمایا ”اللہ اعلم بما کانوا عاملین“ نیز حدیث باب کا جملہ ”او غیر ذلک یاعائشہ“ بھی بظاہر توقف پر دلالت کر رہا ہے۔

بذل الجہود اور انوار المہود میں صراحت ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلہ میں توقف کے قائل ہیں۔

متوقفین کے دلائل کا جواب

امام توریشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”اللہ اعلم بما کانوا عاملین“ حضور کا اس وقت کا ارشاد ہے جب کہ اطفال مشرکین کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اب جبکہ انکے ہستی ہو نیکا حکم نازل ہو گیا تو یہ حدیث منسوخ ہو گئی اب اس سے توقف پر استدلال کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی جواب دیا ہے۔ حدیث باب ”عصفور من عصافیر الجنة“ کے بارے میں بھی امام توریشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ بھی اس وقت کا ارشاد ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت امر کا علم نہ تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اتنی سختی سے کیوں منع کیا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں:-

لے دیکھئے مسلم باہدانی شرح نووی ص ۳۱۲ ۲۲ بخاری و مسلم ۲۲ تعلیق جلد اول ۲۲ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر بڑا سلیلا کلام کیا ہے اور تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے دس سے زیادہ اقوال نقل فرمائے ہیں دیکھئے فتح الباری جلد سوم ۱۹۵-۱۹۶

”نهاها عن المسارعة الى القطع من غير ان يكون عندها دليل قاطع كما انكر على سعد بن ابى وقاص في قوله اعطه ابى لاراه مومنا قال او مسلما“
یعنی تنبیہ کی وجہ توقف نہ تھی بلکہ امور غیر متصورہ پر بغیر دلیل قطعی کے فیصلہ کرنے کی نہایت تہی
لہذا اس حدیث سے توقف پر استدلال کرنا قطعاً درست نہیں۔

۲- دوسرا مذہب یہ ہے کہ مشرکین کے وہ تمام بچے جو عہد طفولیت میں ہی انتقال کر گئے وہ اپنے
کافر آباء و اجداد کے تابع ہو کر ہمیشہ کیلئے جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ خوارج کا ایک فرقہ
فرقہ ازرقہ جو سب خوارج سے زیادہ متشدد اور متغفل ہے اور جو نافع بن ازرق کی طرف
منسوب ہے وہ بڑی شدت سے اس مسلک کا قائل ہے اور تمام اطفال مشرکین کو جہنمی قرار
دیتا ہے ذیل میں اس مسلک کے دلائل نقل کئے جاتے ہیں:-

۱- ”رب لا تذرع على الارض من الكافرين ديارا انك ان تذرهم يضلوا
عبادك ولا يلدوا الا فاجرا کفاراً“
وجہ استدلال یہ ہے کہ کافر تو کافر ہی کو پیدا کرتا ہے اسی لئے نوح علیہ السلام ان کافروں کے
بچوں تک کیلئے تباہی و بربادی کی بددعا فرما رہے ہیں لہذا کافروں کے بچے بھی انہیں کے تابع
ہو کر ناری ہوں گے۔

۲- حضرت خدیجہ کبریٰ کی حدیث ”قالت يا رسول الله اين اطفالى منك قال ۴ في
الجنة قلت فاطفالى من غيرك قال ۴ في النار“
۳- الوائدة والمؤودة في النار“

وجہ استدلال یہ ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں کم سن اور نومولود بچیوں ہی کو زندہ درگور کیا
کرتے تھے تو اس حدیث میں ان نابالغ اطفال مشرکین کے جہنمی ہونے کی صراحت ہے۔
۴- ان نقلی دلائل کے علاوہ یہ حضرات یہ عقلی دلیل بھی دیتے ہیں کہ اگر اولاد مشرکین حقیقتاً مسلمان ہیں
تو ان کو مسلمانوں کی طرح دفن کیوں نہیں کیا جاتا اور ان پر نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی جاتی۔

مذہب ثانی کا جواب

۱- حضرت نوح علیہ السلام کی اس بددعا سے استدلال اسلئے درست نہیں کہ حضرت نوح کو بتایا

لے مسلم شریف جلد ثانی شرح نووی ۳۳۵ لے سورہ نوح پارہ ۲۹ لے ابو داؤد جلد ثانی ۶۴۹

گیا تھا کہ ”لن یومن من قومك الا من قد آمن“ آپ کی قوم کے جو افراد ایمان لا چکے ہیں بس وہی مؤمن رہیں گے اور بقیہ ان تمام کفار کی نسلوں تک سے ایمان کی کوئی توقع نہیں تو حضرت نوحؑ نے اپنے مخاطب تمام کفار وقت کیلئے بددعا فرمائی نہ کہ علی الاطلاق ہر زمانہ کے کافروں کیلئے۔ یہی مضمون حضرت قتادہ، محمد بن کعب، ربیع ابن زید وغیرہ سے اس طرح مروی ہے ”ما دعا علیہم الا بعد ان اخرج الله تعالى كل مومن من اصلابهم واعقم ارحام نساءهم“

لہذا ایک مخصوص واقعہ سے عموم پر استدلال درست نہیں۔
۲۔ دوسری دلیل حضرت خدیجہؓ کی اس حدیث کی حقیقت آشکارہ کرنے کیلئے بحر العلوم علامہ ابن حزم ظاہری کا یہ تبصرہ نقل کر دینا ہی کافی ہوگا:-

”اما حدیث خدیجۃ رضى فساقت مطرح لم یروہ قط من فیہ خیر“
حضرت خدیجہؓ کی حدیث اس درجہ ناقابل اعتبار ہے کہ کسی بھی خلا ترس آدمی نے اسے روایت نہیں کیا لہذا احکام میں اعلیٰ اور صحیح حدیثوں کے موجود ہوتے ہوئے ایسی کمزور حدیثوں سے استدلال کرنا کج فہمی اور کم علمی کی دلیل ہے۔

۳۔ اس حدیث کے متعدد جواب ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:-
(الف) پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث نہ صرف یہ ثابت نہیں بلکہ قریب قریب موضوع ہے کیونکہ علامہ ابن عبد البر جیسے چوٹی کے محدث نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:-
”لا اعلم احداً روى هذا الحديث عن الزهري غير ابی معاذ وهو ناسی الحديث لا یحتج بحديثه“

(ب) دوسرا جواب دیتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں حدیث مذکورہ میں یہ بھی احتمال ہے کہ مؤردہ بالغ ہو ”اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال“ اسی کی تصریح کرتے ہوئے صاحب کشف الحاجہ ابن حزم کی عبارت کی شرح یوں کرتے ہیں:-

”اس میں علی الاطلاق والدہ اور مؤردہ کا حکم نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ آپؐ نے اس جملہ سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ سلمہ بن زید کی بہن (جو اس حدیث

۱۔ سورہ ہود آیت نمبر ۳۶ روح المعانی جز ۲۹ مطبوعہ مصطفائیہ ص ۳۷ کشف الحاجہ ص ۱۷۱ مرقاة جداول ص ۱۵۲ ۲۔ ایضاً ص ۱۷۱ کشف الحاجہ ص ۱۷۲

کا مورد ہیں (نابالغ نہیں تھیں بلکہ وہ تو بارغ کو پہنچ چکی تھیں)۔
لہذا ایک خاص واقعہ کو قاعدہ کلیہ بنانا اور اس کو عموم دینا صحیح نہیں۔
(۵) تیسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حدیث مذکور میں دائرہ سے دائرہ اور مؤودہ سے مؤودہ لہا یعنی
لڑکی کی ماں مراد ہے اس لئے اب کوئی اشکال نہیں رہا ہے۔
۲۔ ان حضرات کی چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ تدفین اور نماز جنازہ دنیوی امر ہیں جو تعامل نہ
ہونے کی وجہ سے ان پر جاری نہیں ہوں گے جب کہ ان کی نجات اور اسلام و فطرت کا حکم
اخروی امر ہے پھر اگر دنیوی امور کو علامت نجات قرار دیا جائے تو پھر تو بہت اشکالات
کھڑے ہو جائیں گے۔
۳۔ ان دو مسلکوں کے برخلاف جمہور محققین علماء و مفسرین و متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اطفال مشرکین
جنتی ہیں اور وہ تکذیب و تکفیر میں اپنے آباء و اجداد کے تابع نہیں ہیں بلکہ وہ فطرت انسانی
پر قائم رہتے ہوئے اخروی لحاظ سے مومنین و مسلمین کے زمرہ میں شمار کئے جائیں گے اس
سلسلے میں جمہور اہل سنت کے پاس بے شمار نقلی و عقلی دلائل موجود ہیں جو ماخذ شریعت سے
ماخوذ اور مزاج اسلام کے عین مطابق ہیں۔

دلائل جمہور

۱۔ واذا اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم و ذریعتهم و اشہدہم علی انفسہم
الست بربکم قالوا بلیٰ

لے دیکھئے تنظیم الاشتات جلد اول ص ۱۱۱ لے مثلاً ایک شخص علانیہ مسلمان تھا اس کی موت کے بعد کافر و ثاوانے نہ دفن کیا اور
مسلمانوں کو نماز جنازہ پڑھنے دی تو کیا اس پر بھی عدم اسلام و عدم ایمان کا حکم لگایا جائیگا۔ اطفال مشرکین کی تفصیل ان
کتبے ماخوذ ہے فیض الباری المکشمیری جلد ثانی ص ۴۹۲-۴۹۳، فتح الباری للعسقلانی جلد ثالث ص ۱۹۱، شرح السنہ جلد اول ص ۱۵۱
ص ۱۶۲، مطبوعہ سعودیہ، شرح نووی مسلم ثانی ص ۳۳۵، مرقاة المفاتیح جلد اول ص ۱۱۲، بذل الجہود جلد خامس ص ۲۱۲، فتاویٰ اعلیٰ
ص ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲،

وجہ استدلال یہ ہے کہ آدم کی پوری نسل اپنے اس اقرار ایمانی کی بنا پر نفس الامر میں مومن ہے اور بلوغ کے بعد کافر نہ و باغیانہ افعال ہی اس اقرار و معاہدہ کو متاثر کر سکتے ہیں نابالغ بچوں کا یہ اقرار جوں کا توں باقی ہے اسلئے وہ جنتی ہوں گے۔

۲۔ وما تکسب کل نفس الا علیہا ولا تزر وازرہ وزر اخریؑ
یہ آیت تابع ہونے کی صراحتاً تردید کر رہی ہے۔

۳۔ لا یصلحها الا الاشقی الذی کذب و قویؑ
جہنم کا وہی مستحق ہوگا جس نے امور غیبیہ تعلیمات دین اور وحی الہی کی تردید و تکذیب کی اور حق سے اعراض کیا ہو اطفال مشرکین کیوں کہ غیر مکلف ہیں اسلئے تکذیب و قوی کا ان پر اطلاق نہیں ہوگا۔

۴۔ وما کننا معذبین حتیٰ نبعث رسولاًؑ
ظاہر ہے کہ رسول کو نابالغ بچوں کی جانب نہیں بھیجا جاتا لہذا ان کی تعذیب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵۔ فطرۃ اللہ الّٰتی فطر الناس علیہاؑ
تمام انسانوں کو فطرت پر پیدا کیا گیا اور نابالغ بچوں کو فطرت ہی پر موت دیدی گئی اسلئے وہ بہشتی ہوں گے۔

۶۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ فابیہ یهودانہ و بنصرانہ و مجسانہ و بشرکانہ۔ (حدیث)

۷۔ عن سمرۃ بن جندب رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل مولود یولد علی الفطرۃ فقال بعض الناس یا رسول اللہ اولاد المشرکین قال ۴ اولاد المشرکین ۵

۸۔ عن حسناء بنت معاویہ الصرمیہ عن عتبہا قالت قلت یا رسول اللہ من فی الجنۃ قال النبی فی الجنۃ والشہید فی الجنۃ والمؤدۃ فی الجنۃ ۶

ما نقل ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

۵۔ تخریج

۱۔ سورۃ البقرہ پ ۱۱۱ س ۱۱۱
۲۔ سورۃ البقرہ پ ۱۱۱ س ۱۱۱
۳۔ سورۃ البقرہ پ ۱۱۱ س ۱۱۱
۴۔ سورۃ البقرہ پ ۱۱۱ س ۱۱۱
۵۔ سورۃ البقرہ پ ۱۱۱ س ۱۱۱
۶۔ سورۃ البقرہ پ ۱۱۱ س ۱۱۱
۷۔ سورۃ البقرہ پ ۱۱۱ س ۱۱۱
۸۔ سورۃ البقرہ پ ۱۱۱ س ۱۱۱

- ۹- حدیث ابراہیم حین راہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنة وحولہ اولاد الناس قالوا یا رسول اللہ واولاد المشرکین قال واولاد المشرکین^{لہ}
- ۱۰- حضرت معمر عن قتادہ عن الحسن کے طریق سے بیان کرتے ہیں :-
- ۱۱- ان سلمان رضی قال اولاد المشرکین خدم اهل الجنة^{لہ} عن سمرة رضی قال اولاد المشرکین خدم اهل الجنة^{لہ} حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔
- ۱۲- عن انس رضی قال سألته ربي اللاهين من ذرية البشر ان لا يعذبهم فاعطانيهم^{لہ} لاهين سے نابالغ بچے مراد ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا۔
- ۱۳- سمرة بن جندب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طویل خواب اپنی روایت میں بیان کیا ہے باب سے متعلق الفاظ یہاں نقل کئے جاتے ہیں :-

”اما الولدان الذين حولہ فكل مولود مات على الفطرة فقال بعض المسامین یا رسول اللہ واولاد المشرکین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واولاد المشرکین^{لہ} یہ حدیث صراحت کر رہی ہے کہ اولاد مشرکین جنتی ہوں گے کیونکہ انبیاء کا خواب وحی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں سب صریح واضح اور مکمل روایت حضرت عائشہ رضی کی ہے جو اس مسئلہ میں حقیقتاً قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے اور جو تقریباً تمام نصوص واردہ کا بخور ہے ذیل میں ہم اسے نقل کرتے ہیں :-

عن ابی معاذ عن الزهري عن عروة عن عائشة رضی قال سألت خديجة رضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اولاد المشرکین فقال هم مع آباءهم ثم سألتہ بعد ذلك قال اللہ اعلم بما كانوا عاملين ثم سألتہ بعد ما ابنت حکم الاسلام فنزل ولا تترک وازرة وزر اخوی قال هم على الفطرة او قال هم في الجنة^{لہ} اس تفصیلی روایت کے بعد اب مزید لب کشائی کی گنجائش نہیں رہتی۔

سوال ۲۸ :- عن جابر رضی قال قال جاء رجل من الانصار إلى النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ان لی جارئة أعزل عنها قال

لہ رواہ البخاری لہ شرح اسنہ جلد اول ص ۱۵ مطبوعہ سعودی عرب لہ طبرانی و بیرونی ابی داؤد طیالسی والبیہقی عن انس لہ ابیہقی و فی البزار عن ابن عباس مرفوعاً لہ بخاری لہ مصنف عبد الرزاق بخوالہ تحفة الاحوذی جلد سوم ص ۱۹۔

سَيَأْتِيهَا قُدْرٌ لَهَا فَأَتَاهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَقَالَ قَدْ حَمَلَتِ الْجَارِيَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قُدْرٌ لِنَفْسِهِ شَيْئًا إِلَّا وَهِيَ كَابِعَةٌ.

(الف) اعراب لگا کر معنی خیر ترجمہ کیجئے۔

(ب) عزل کی تعریف کیجئے۔

(ج) کیا عزل کرنے میں عورت کی اجازت ضروری ہے مع اختلاف ائمہ تحریر فرمائیے۔

(د) عزل کا شرعی حکم بیان کیجئے۔

جواب سوال ۲۸ :- (الف) اعراب کیلئے مذکورہ بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت جابر رضی سے روایت ہے کہ ایک انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ایک باندی ہے (کیا) میں اس سے عزل کر سکتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عزل سے کیا فائدہ) جو اس کی تقدیر میں (بچہ جنمنا نہ جنمنا) ہے وہ تو (بالآخر) ہو کر ہی رہے گا (اس کے بعد وہ شخص چلا گیا) پھر چند دنوں کے بعد پھر حاضر ہوا اور (نہایت متحیرانہ انداز میں) بولا (میرے عزل کرنے کے باوجود بھی) باندی حاملہ ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہم نے کہا نہیں تھا کہ) جس نفس کی جو تقدیر میں ہے وہ ہو کر ہی رہے گا۔

(ب) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ عزل کی تعریف یوں کرتے ہیں :-

(العزل) ای النزاع بعد الايللاج لينزل خارج الفرج.

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

”العزل هو ان يجامع فاذا قارب الانزال نزاع وانزل خارج الفرج“

شیخ عبد الغنی محمد دی رحمۃ اللہ علیہ عزل کی تعریف کے ساتھ ساتھ نہایت مختصر انداز میں اس کے پس منظر کو بھی بیان کرتے ہیں

”العزل اراقة المنى خارج الفرج خوفا من لعن الولد“

(ج) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت اگر حرمہ ہو تب بھی عزل کرنے کیلئے

۱۔ فتح الباری للعسقلانی جلد ۲۴ ص ۲۴۴ ۲۔ مسلم شریف جلد اول ص ۳۶۲ ۳۔ ابن ماجہ ص ۱۰۵

۴۔ داخل کرنا۔

اس سے اجازت لینی ضروری نہیں " لان المرأة لاحق لها في الجماع اصلاً عندہ^۱
اس کے برخلاف حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرہ عورت سے عزل کرنے میں
اس سے اجازت لینی ضروری ہے اور اس کی اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں " لان الجماع
من حق الحرة ولها المطالبة به " نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث " انه نهى
ان يعزل عن الحرة الا باذنها " بھی احناف اور جمہور امت کی پر زور تائید کر رہی
ہے اسی کے پیش نظر بہت سے شوافع سے بھی یہ منقول ہے کہ امام شافعی بھی جمہور امت کے
ساتھ ہیں اور اسی لئے علامہ ابن عبدالبر اور علامہ ابن ہبیرہ نے اس پر تمام فقہاء کا اجماع نقل کیا
ہے کہ آزاد عورت کے اس کی رضا کے بغیر عزل جائز نہیں ہے۔

لیکن احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ امام شافعی کے اصول و مزاج کے پیش نظر مقدم الذکر کتاب
ہی ان کی جانب صحیح منسوب ہے اور حضرت امام شافعی حقیقتاً اس مسئلہ میں جمہور کیساتھ نہیں ہیں
اگر عورت امۃ منکوحہ ہو تو عزل کرنے کے سلسلے میں یہ اختلاف ہے کہ عزل میں اس امۃ منکوحہ
سے اجازت لی جائے گی یا اس کے آقا کی اجازت درکار ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امۃ منکوحہ سے عزل کرنے میں کسی کی اجازت کی
ضرورت نہیں شوہر کو قہراً بالکلیہ اختیار ہے۔

حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ امۃ منکوحہ سے عزل کرنے میں اسی کی اجازت
ضروری ہے لان الوطی حقها حتى ثبت لها ولاية المطالبة بالوطی وفي العزل
تنقص حقها فيشترط رضاها كما في الحرة۔ امام احمد کے چار اقوال میں سے
ایک قول صاحبین ہی کے مطابق ہے۔

امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور جملہ احناف کے نزدیک امۃ منکوحہ سے عزل کرنے میں اس کے
مولیٰ کی اجازت ضروری ہے لان العزل يخل بمقصود الولد وهو حق المولى

۱۔ تنظیم الاشتات جلد سوم ص ۳۱۶ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ قال ابن عبد البر " لا خلاف بين العلماء انه
ديعزل عن الزوجة الحرة بغير اذنها " فتح الباری جلد نہم ص ۲۴۴ ۲۔ تنظیم الاشتات جلد سوم
ص ۳۱۶ ۳۔ ایضاً ۴۔ فتح الباری جلد نہم ص ۲۴۵
۵۔ وہ عورت جس کے آقا نے اس کا کسی اور کے ساتھ نکاح کر دیا ہو۔

فیختہ رضاہ“ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی رائج ترین قول یہی ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں یہی واضح صحیح اور قوی ترین مسلک ہے۔^{۱۷}

(۵) عزل کا حکم شرعی

عہد صحابہ و تابعین میں غزل کے سلسلے میں دو مذاہب مشہور و معروف رہے ہیں:-

ایک تو یہ کہ غزل مکروہ اور تقریباً ناجائز ہے اور ایسا کرنا نسل انسانیت کیلئے مضر اور وادھنی کے مترادف ہے حضرت عمر حضرت عثمان، عبداللہ بن مسعود، ابن عمر، ابوامامہ وغیرہ اور علامہ نووی کی یہی رائے ہے ہمارے استاذ الاساتذہ ابن حجر مہند علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ بھی تقریباً اسی کے قائل ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علماء و مذکورہ حضرات سے منقول ممانعت کو مکروہ تفریہ پر محمول کرتے ہیں: ^{۲۲}

دوسرا مسلک یہ ہے کہ بحالت مجبوری عزل جائز ہے اور وہ اضطراب کے وقت وادخفی کے زمرے میں نہیں آتا۔ ائمہ اربعہ محدثین و مفسرین اور جمہور امت کا یہی مذہب ہے اور یہی مفتیؒ اور صحیح ترین مذہب ہے اسی پر روشنی ڈالتے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

”العزل جائز عند عامة العلماء وكرهه قوم من الصحابة وغيرهم والصحيح الجواز“
لیکن یہ رخصت اسی وقت ہے جب کہ صنف نازک کی صحت جسمانی اعذار حالات و کیفیات
ان زبردست ذمہ داریوں کو نبھانے کی قطعاً اجازت نہ دیتی ہوں اور ایسا کرنے میں اس
کی جان یا بچہ کی ذات کو نقصان و ہلاکت کا اندیشہ لاحق ہو تو بحالت مجبوری عزل کی گنجائش
ہے لیکن اس گنجائش کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری خصوص صریحہ اسلامی و دینی مزاج شریعت
کے نقطہ نظر سے بے پرواہ حدود سے متجاوز اور دائرہ شریعت سے باہر ہو کہ محض طاغوت
کو خوش کرنے کیلئے باقاعدہ طور سے فیملی پلاننگ ضبط و ولادت اور تجدید نسل کی ترغیب نکال
جانے لگے اور ان منحوس منصوبوں کو عزل کے ذیل میں لاکر عین اسلام اور استخفاف قرار
دیدیا جائے۔

۱۔ تنظیم الاشتات سوم ۳۱۶ ۲۔ مرقاۃ ثالث ۴۳۱ ۳۔ تنظیم الاشتات سوم ۳۱۶ ۴۔ مرقاۃ ثالث ۴۳۱ ۵۔ تنظیم الاشتات سوم ۳۱۶ ۶۔ مرقاۃ ثالث ۴۳۱ ۷۔ تنظیم الاشتات سوم ۳۱۶ ۸۔ مرقاۃ ثالث ۴۳۱ ۹۔ تنظیم الاشتات سوم ۳۱۶ ۱۰۔ مرقاۃ ثالث ۴۳۱

اس طرح کی کوششیں غیروں کی جانب سے نہیں بلکہ اپنے ہی ناخواندہ ان نام نہاد علماء کی جانب سے جاری ہیں جو مغرب سے مرعوب اور آج کے روشن خیال طبقہ کے کھوکھلے نعروں سے بہت ہو کر رہ گئے ہیں اور جو اسلام کو دور حاضر کے تمام باطل فلسفوں کا مقتدی و موافق ثابت کرنے ہی میں اس کی عافیت اور اس کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی ساری کوششیں دین پر بہتان شریعت سے کھلاڑ اور اسلام کے ساتھ ایک گھناؤنا مذاق ہے اور دین سے ان کا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں کیونکہ اسلام اصولی طور پر تحدید نسل سے متنفر اور توسیع نسل کا خواہاں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”تزوجوا الودود النلود فانی مکاتربکم الامم“ نیز ”توالدوا فتکثروا فانی اباحی بکم یوم القیامۃ بکثرة الامم“ ارشاد فرما کر اسلام کے اسی نقطہ نظر کی وضاحت فرمائی ہے۔ نسل انسانی کو اس کے وجود سے محروم کرنا اس کی تولید و توسیع پر پابندی لگانا اور دنیا کو محض اپنی جاگیر و میراث سمجھنا انتہا درجہ کی خود غرضی مکیہ پن اور زبردست ظلم ہے اور یہ انھیں منکرین قسمت کو مبارک ہو جو رب جلیل سے بے نیاز ہو کر محض مادی وسائل محسوسات و ظواہر پر نظر کرتے ہوئے اٹکل پچو حساب لگا کر دنیا میں انسانی آمد کو دکنے پر تلے ہوئے ہیں۔

ایک خدا پرست انسان جو ”نحن نرزقکم وایاہم“ پر ایمان رکھتا ہے جو ”لا تفتلوا اولادکم خشية املاق“ کا اپنے آپ کو مخاطب سمجھتا ہے اور جو خداوند قدوس ہی کو خالق و رازق سمجھتے ہو مسئلہ قضا و قدر کو بلا چون و چرا تسلیم کرتا ہے وہ کبھی ایسی خود غرضی اور ظلم پر نہیں اتر سکتا اور نہ ہی عقلی و روحانی طور پر اتنا دیوالیہ ہو سکتا ہے کہ محض اپنے ظنی آرام و آسائش کی خاطر آئندہ آنے والی نسل انسانی کی آمد پر پابندی لگائے اس کی غیر فطری تحدید کا خواہشمند ہونے کیساتھ ساتھ اس کے وجود ہی کا دشمن ہو جائے۔

حیرت کی بات یہ کہ انھیں اللہ دین کی دیکھا دیکھی اور انھیں منکرین قسمت اور دشمنان اسلام کی تقلید میں بہت سے مرعوب و مسحور اسلامی عربی ممالک بھی اسی ڈگر پر چل پڑے اور کل جہاں سے ”تزوجوا الودود النلود“ کی مبارک صدا گونجی تھی آج وہیں سے خاندانی منصوبہ بندی اور تحدید نسل کی آوازیں آنے لگی ہیں اور ان خبیث منصوبوں کی ترغیب و تشہیر کیلئے اخبار و رسائل دنیاوی و مادی وسائل اور ان کے تمام

ذرائع ابلاغ بھی حرکت میں آگئے ہیں ایسے ہی نام و نہاد مسلمانوں کے بار میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

سوال ۲۹: عَنِ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِيدُ فِي الثَّعْمِ إِلَّا الْمَيْسُ وَلَا يُرَدُّ الْقَدْرُ إِلَّا الدُّعَاءُ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَحْرُمُ الرِّزْقَ بِحَظِيئَةٍ يَعْمَلُهَا.

(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیرات الہیہ میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے حالانکہ جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ تقدیرات الہیہ میں تبدیلی نہیں آ سکتی اس متفق علیہ مسلک کی روشنی میں آپ حدیث باب کا کیا جواب دیں گے؟

جواب سوال ۲۹: (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیکی کے علاوہ کوئی چیز عمر میں زیادتی کا سبب نہیں بنتی اور دعا کے علاوہ کوئی چیز تقدیر کو نہیں ٹال سکتی اور بندہ (مسلم) اپنے کردہ گناہوں کی پاداش میں رزق (دنوی منفعت و اخروی اجر و ثواب) سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

(ب) اگر درج بالا حدیث سے تقدیر معلق مراد لی جائے تو حدیث باب پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ تقدیر معلق میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ "يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُنْثَبِ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكُتُبِ" لیکن اگر حدیث باب کی تقدیر کو عام مانا جائے تو

۱۔ غزل کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے فیض الباری جلد چہارم ص ۳۵۵ والعرف ص ۳۳ بخاری شریف جلد ثانی ص ۷۸۲ فتح الباری جلد نہم ص ۳۳۳ ۲۔ امداد القاری للعینی جلد نہم ص ۴۹۵ مسلم شریف اول ص ۲۶۲ بذل انجود جلد سوم ص ۲۶ والا زاد جلد دوم ص ۳۲ التعلیق ۱ تصبیح جلد چہارم ص ۳۲ ترمذی جلد اول ص ۱۳۵ الکوکب الدری اول ص ۳۳۲ تحفۃ الاحرف جلد دوم ص ۱۹۲ مظاہر حق جدید جلد سوم قسط پنجم ص ۴۴ تاضلک تنظیم الاشتات جلد سوم ص ۳۱۶ وصال نیز غزل کے سلسلے میں جدید معلومات کیلئے فقہیہ تصنیف تاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے زیر اہتمام نکلتے والا رسالہ بحث و نظر کا پہلا شمارہ اور اسی کا فقہی سینار نمبر کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

اہل سنت والجماعت کے طر شدہ مسلک سے اس کا ٹکراؤ ہو جائے گا کیونکہ تقدیر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اسی تعارض و تضاد کو رفع کرنے کیلئے محققین علماء نے متعدد توجیہ و تاویلیں کی ہیں۔ چند با وزن توجیہات ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:-

۱۔ شرح حدیث کی ایک جماعت نے کہا کہ یہاں ظاہر سراسر انہیں بلکہ ان تینوں چیزوں کی سمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ فی نفسہ عمر میں تو کوئی زیادتی نہیں ہوتی لیکن نیکی میں اتنی طاقت و برکت ہے کہ اگر عمر میں اضافہ ہو کر تا تو نیکی ہی کی بدولت ہوتا اور تقدیر کو اگر کوئی چیز ٹال سکتی تو وہ صرف دعا ہوتی اور معاصی میں اتنی نحوست ہے کہ اگر مقتدر رزق میں کمی ہو کر تھی تو وہ صرف گناہوں کی جہالت و نحوست کی وجہ ہی سے ہوتی شیخ عبدالحی دہلوی کی یہی رائے ہے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عمر میں زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ اس بندے کے اوقات میں برکت دیدی جائے گی اور وہ اپنی مقرر کردہ اسی عمر میں اتنے کثیر اور نمایاں کارنامے انجام دے گا جن کیلئے ایک طویل عمر درکار ہے لیکن نیکی و تقویٰ کی برکت سے وہ سیکڑوں سالہ امور کو محض چند سال ہی میں نمٹا دے گا جیسے بحر العلوم شیخ العرب والجمع حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر سے بہت زیادہ کام کیا۔ اور تقدیر طے کا مطلب یہ ہے کہ دعا کی بنیاد پر تقدیر کو ہلکا کر دیا جائے گا اور دعا کی برکت سے اس بندے کو تقدیر کی امور برداشت کرنے کی طاقت دیدی جائے گی جب کہ رزق سے محرومی کے یہ معنی ہیں کہ معاصی کی نحوست کی وجہ سے اس کے رزق کی برکت و فورانیت اٹھالی جائیگی۔

۳۔ تیسری تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ماکان و مایکون کا علم ہے اسلئے تقدیر لکھتے وقت ہی آپ کو علم تھا کہ یہ بندہ نیکی و تقویٰ اختیار کرے گا تو اس کی برکت سے ازل ہی میں اس کی عمر بڑھا کر لکھ دی گئی اور اگر یہ بھی معلوم تھا کہ یہ بندہ کوئی غیر معمولی دعا کرے گا تو اس دعا کی وجہ سے وہ اس کی قسمت میں مصیبتوں اور بلاؤں کو نہیں لکھا گیا نیز آپ یہ بھی جانتے تھے کہ فلاں شخص گناہ و معاصی کا ارتکاب کرے گا تو معاصی کی نحوست سے اس کے رزق میں بوقت کتابت ہی کمی کر دی گئی تو یہی ہی زیادتی عمر کا سبب دعا و دعا رزق قضا کی وجہ ہوئی اور معاصی ہی کی بنیاد پر رزق سے محروم کیا گیا اسی لئے حدیث ابن عباس ان تینوں کی مطلق غایت کی نسبت آری گئی۔

ان تاویلوں کے بعد حدیث باب کی مزید تشریح کیلئے معارف القرآن سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب نور الشریعہ مفتی اعظم پاکستان اسی قسم کی احادیث کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-

”ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عمر یا رزق وغیرہ کسی کی تقدیر میں لکھ دیئے ہیں وہ بعض اعمال کی وجہ سے کم یا زیادہ ہو سکتے ہیں اور دعا کی وجہ سے تقدیر بھی بدلی جاسکتی ہے۔“

پھر مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”کتاب و تقدیر میں لکھی ہوئی عمر یا رزق یا نصیب یا راحت وغیرہ میں جو تغیر و تبدل کسی عمل یا دعا کی وجہ سے ہوتا ہے اس سے مراد وہ کتاب و تقدیر جو فرشتوں کے ہاتھ یا ان کے علم میں ہے اس میں بعض اوقات کوئی حکم کسی خاص شرط پر معلق ہوتا ہے جب وہ شرط نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہیں رہتا پھر یہ شرط بعض اوقات تو تحریر میں لکھی ہوئی فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے بعض اوقات لکھی ہوئی نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے جب وہ حکم بلا ہوا ہے تو سب حیرت میں رہ جاتے ہیں اس طرح کی تقدیر معلق کہلاتی ہے جس میں آیت کی تصریح کے مطابق محو و اثبات ہوتا رہتا ہے لیکن آیت کا آخری جملہ ”و عندہ ام الكتاب“ نے بتلادیا کہ اس تقدیر معلق کے اوپر ایک تقدیر برتر ہے جو ام الكتاب میں لکھی ہوئی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ صرف علم الہی کیلئے مخصوص ہے اس میں وہ احکام لکھے جاتے ہیں جو شرائط و اعمال یا دعا کے بعد آخری نتیجہ کے طور پر ہوتے ہیں اسلئے وہ محو و اثبات کی پاشی سے بالکل بری ہے۔“

اس کے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ تقدیر معلق کا تعلق صرف فرشتوں سے ہے، میں ان کو بندوں کی نیکی دعا رزق وغیرہ کے رب جلیل کی جانب سے احکام و ہدایات ملتی رہتی

۱۔ معارف القرآن جلد خامس ۲۱۳-۲۱۴ اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے مرقاة المفاتیح جلد ۱۱ ص ۲۱۱-۲۱۲
۲۔ بحرانی ص ۲۱۳ تحفۃ الاوزی جلد ثالث ص ۱۹۸ کشف الجاہر ص ۱۸۹ تنظیم الاشتات جلد سوم ص ۱۴۵ جلد چہارم ص ۲۱۳

ہیں اور اللہ کیلئے ان کے علم کامل کی وجہ سے ہر تقدیر تقدیر مبرم ہے۔

سوال نمبر ۳ :- عن سراقہ بن جعشم قال قلت يا رسول الله العمل فيما جفت به القلم وجرت به المقادير أم في أمر مستقبل قال بل فيما جفت به القلم وجرت به المقادير وكل مستقبل لمّا خلق.

(الف) حدیث بالا پر اعراب لگا کر مطلب خیر ترجمہ کیجئے۔
(ب) تقدیر کے مسئلہ پر مختصر مگر ثانی کلام کرتے ہوئے ایک ایسا مضمون لکھیے جس سے مسئلہ بالا حقیقت واضح ہو جائے۔

جواب سوال نمبر ۳ :- (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث دیکھیے۔
حضرت سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ذرا یہ بتائیے کہ کیا عمل (بھی) ان تقدیرات میں داخل ہے جن پر قلم خشک ہو چکا (اور وہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے بالکل بے باقی رہیں گی) اور (اس کتابت کے ساتھ) مقادیر جاری بھی ہو گئیں یا یہ امر مستقبل ہے (جس کی کتابت نہیں کی گئی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا (امر مستقبل نہیں بلکہ) بلکہ وہ بھی انہیں (تقدیرات) میں سے ہے جن (کو لکھ کر) قلم خشک ہو چکا اور مقادیر بھی جاری ہو گئیں اور ہر ایک (انسان) کو (اس کے انجام کے وہ) تمام اسباب فراہم کر دیئے گئے جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے (اگر جنتی ہے تو مسلم گھرانے میں پیدا کر کے دین سے رغبت اس کے ڈال دی گئی اور اگر وہ دوزخی ہے تو کافر گھرانے میں پیدا کر کے اس کی توجہ حق سے ہٹا دی گئی)۔
(ب) تقدیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے داعی کبیر مناظر اعظم حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم وادام اللہ ظلہ علیہما نے نہایت جامع مختصر اور تسلی بخش مضمون تحریر فرمایا ہے ذیل میں ہم معارف الحدیث سے اس کو بعینہ نقل کر رہے ہیں :-

اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس کے علم ازل کے مطابق ہے اور اس کا رخا عالم میں جو کچھ جس طرح اور جس صفت کیساتھ اور جس سلسلہ سے ہو رہا ہے وہ بالکل اسی طرح اور اسی صفت اور اسی سلسلہ کیساتھ علم ازل میں تھا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر فرمایا ہے اور ہم میں سے جو شخص بھی اپنے اعمال و افعال پر غور کرتے گا وہ بغیر کسی شک و شبہ کے اس حقیقت کو محسوس کریگا

کہ اس دنیا میں ہم جو اچھے یا برے عمل کرتے ہیں وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتے ہیں ہر کام کے کرنے کا وقت اگر ہم غور کریں تو یہی اور یقینی طور پر محسوس ہوگا کہ ہم کو یہ قدرت حاصل ہے کہ چاہیں تو اس کو کریں اور چاہیں تو نہ کریں پھر اس قدرت کے باوجود ہم اپنے خدا داد ارادے اور اختیار سے کرنے اور نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اسی فیصلہ کے مطابق ہمارا عمل ہوتا ہے۔ پس اس عالم میں جس طرح ہم اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے تمام کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ازل میں اسی طرح ان کا علم تھا اور پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدر فرمادیا اور اس پورے سلسلہ کے وجود کا فیصلہ فرمادیا بہر حال اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے اعمال ہی کو مقدر نہیں فرمایا ہے بلکہ جس ارادہ اور اختیار سے ہم عمل کرتے ہیں وہ بھی تقدیر میں آچکا ہے گویا تقدیر میں صرف یہی نہیں ہے کہ فلاں شخص فلاں اچھایا برا کام کرے گا بلکہ تقدیر میں یہ پوری بات ہے کہ فلاں شخص اپنے ارادہ و اختیار سے ایسا کرے گا پھر اس سے یہ نتائج پیدا ہوں گے پھر اس کو یہ جزا یا سزا ملے گی۔

الغرض ہم کو اعمال میں جو ایک گونہ خود اختیاری اور خود ارادیت حاصل ہے جس کی بناء پر ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں وہ بھی تقدیر ہے اور ہمارے اعمال کی ذمہ داری اسی پر ہے اور اسی کی بناء پر انسان مکلف ہے اور اسی پر جزا و سزا کی بنیاد ہے۔

بہر حال تقدیر نے اس خود اختیاری اور خود ارادیت کو باطل اور ختم نہیں کیا بلکہ اس کو اور زیادہ ثابت اور مستحکم کر دیا ہے لہذا تقدیر کی وجہ سے نہ تو ہم مجبور ہیں اور نہ ہمارے اعمال کی ذمہ اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔

ایسے ہی جن مقاصد کیلئے ہم جو کوششیں اور جو تدبیریں اس دنیا میں کرتے ہیں تقدیر میں بھی ہمارے ان مقاصد کو انہیں تدبیریں اور کوششوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔

الغرض تقدیر میں صرف یہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کو فلاں چیز حاصل ہو جائے گی بلکہ جس کوشش اور جس تدبیر سے وہ چیز اس دنیا میں حاصل ہونے والی ہوتی

ہے تقدیر میں بھی وہ اسی تدبیر سے بندھی ہوئی ہے۔
اب ہم ذیل میں چند قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ درج کر رہے ہیں آپ مذکورہ مضمون کو ان
دلائل سے مزین کیجئے اور اسے مزید پھیلائیے:-

- ۱- انا کل شیء خلقناه بقدر۔
 - ۲- وان من شیء الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم۔
 - ۳- وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتاباً مؤجلاً۔
 - ۴- اذا جاء اجلهم لایستأخرون ساعة ولا یستقدمون۔
 - ۵- لا تسقط من ورقه ولا حبة فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔
- چند احادیث:-

- ۱- عن ابن عمر رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل شیء بقدر حتی العجیز والکلیس (مسلم)۔
- ۲- عن عبد اللہ بن عمرو رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمس الف سنة قال وکان عرشہ علی الماء (مسلم)۔
- ۳- عن سہل بن سعد الساعدی رضی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الرجل لیحمل عمل الجنة فیما یبدو للناس وهو من اهل النار وان الرجل لیحمل عمل النار فیما یبدو للناس وهو من اهل الجنة (مسلم)۔
- ۴- عن ابن مسعود رضی قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو الصادق والمصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امه اربعین يوماً نطفة ثم یموت علقہ مثل ذلک ثم یموت مضغہ مثل ذلک ثم یموت یبغث اللہ الیہ ملكا باربع کلمات فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید ثم

لہ معارف الحدیث جلد اول ص۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا نعمانی کے اس مضمون سے زیادہ مختصر جامع تسلی و تسفی بخش
مضمون احقر کو کہیں نہیں مل سکا اس کی انہیں خوبیوں کی بنا پر اس کو بعینہ نقل کر دیا گیا۔

ينفخ فيه الروح (بخاری و مسلم و ترمذی)
 ۵۔ عن علی رضی قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من احدكم الا وقد
 كتب مقعده من النار ومقعده في الجنة قالوا يا رسول الله افلا نكل
 على كتابنا وندع العمل قال ۴ اعملوا فكل ميسر لما خلق له اما من كان
 من اهل السعادة فسييسر له السعادة واما من كان من اهل
 الشقاوة فسييسر له الشقاوة ثم قرأ فاما من اعطى واتقى وصدق
 بالحسنى فسييسره اليسرى واما من بخل واستغنى وكذب بالحسنى
 فسييسره اليسرى (بخاری و مسلم) ۶۔

سوال ۳۲ :-

- (الف) صحابی کی تعریف کیجئے۔
 (ب) کیا تمام صحابہ ایک درجہ کے ہیں یا ان میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے وضاحت کیجئے۔
 (ج) صحابہ کرام پر ایک جامع اور مختصر مضمون تحریر فرمائیے۔
 (د) نیز یہ بھی بتائیے کہ اس برگزیدہ جماعت کو ہدف تنقید بنانے والوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب سوال ۳۲ :-

(الف) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ صحابی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-
 ”وهو من لقي النبي صلى الله عليه وسلم مؤثاباً ومات على
 الاسلام ولو تظلمت ردة في الاصل“
 استاذ محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری اس عبارت کی تشریح یوں کرتے ہیں :-
 ”صحابی وہ شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالتِ

مع تصوار و قدر کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے کشف الحجاب ص ۱۴۸ تا ص ۱۹۲ التعلیق البصیح جلد اول ص ۶۸ فیض الباری جلد
 چہارم ص ۳۳ معارف الحديث جلد اول ص ۶۵ حجة الله الالف ص ۶۵ جلد اول مطبوعہ رشیدیہ ترجمان اسلام جلد سوم ص ۱۵
 تنظیم الاشتات نیز علامہ ابن قیم کی کتاب شفاء العلیل بھی اس کیلئے نہایت مفید ہے اور اس موضوع پر ایک رسالہ
 بعنوان ”مسئلہ تقدیر“ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر عثمانی نور اللہ مرقدہ نے بھی تحریر فرمایا ہے اور اس سلسلے میں
 حضرت تھانویؒ کی ایک مستقل کتاب ہے رسالہ نجات الفکر ص ۱۵۔

ایمان ملاقات کی ہو اور اسلام ہی پر ان کا خاتمہ ہوا اگر ملاقات نبوی کے بعد
نقض بالشہ مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہوئے ہوں تو امام شافعی رحمہ اللہ کے
نزدیک وہ بدستور صحابی رہیں گے مگر امام مالک اور امام اعظم رحمہما اللہ کے نزدیک
جب تک اسلام لانے کے بعد دوبارہ زیارت نبوی نہ ہو ان کو صحابی نہیں
کہیں گے کیونکہ جس طرح اسلام قبول کرنے سے سابقہ تمام برائیاں کا عدم
ہو جاتی ہیں مرتد ہونے سے بھی سابقہ تمام نیکیاں کا عدم ہو جاتی ہیں حافظ
ابن حجر جو مکہ شافعی ہیں اسلئے اول مذہب کو اصح کہا ہے حالانکہ دلائل کی
قوت کے اعتبار سے قول دوسرا اصح ہے۔

(ب) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں تفضیل صحابہ اور ان کے باہم فرق مراتب پر
مختصر انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں ہم مزید تشریح کے ساتھ اسے اپنے الفاظ
میں نقل کرتے ہیں۔

امام ابو عبد اللہ مازری فرماتے ہیں کہ صحابہ کے فرق مراتب اور ان کے باہم افضل و مفضول
ہونے میں کافی اختلاف ہے۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ تمام صحابہ ہی عہد رسالت و ہدایت کے درخشاں ستارے اور
ایمان و یقین کے روشن مینارے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان سب کی زبردست
ترتیب فرمائی ہے لہذا ایسے عظیم انسانوں میں سے کسی کو کسی پر فوقیت دینا اور بعض کا بعض
سے مرتبہ کم کرنا صحیح نہیں اور اس مسئلہ میں توقف و سکوت کرنا چاہیے۔

لیکن جمہور امت اس طرف گئے ہیں کہ جب انبیاء و رسل میں فرق مراتب اور افضل و
مفضول پائے جاتے ہیں تو انصوح صریحہ کی موجودگی میں صحابہ کے فرق مراتب کا کس طرح
انکار کیا جاسکتا ہے کیوں کہ عہد رسالت و عہد خلافت میں خود فرق مراتب کی تصریح موجود ہے
جیسے کہ ابن عمر کا قول ”کنا نقول فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل
بابی بکر احدنا ثم عمر ثم عثمان“ اور ابن عمر دوسرے قول میں فرق مراتب پر خود
مفسور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح ثابت کرتے ہیں ”کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ

لہ تحفۃ الدرر ج ۲ ص ۲۸۸ مسلم شریف جلد ثانی شرح نووی ص ۲۸۸

علیہ وسلم حی افضل امة النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابو بکر ثم عمر
ثم عثمان " جب آپ کی حیات مبارکہ میں تفضیل موجود ہے اور آپ نے اس کی تردید
بھی نہیں فرمائی تو نبی کی تقریر سے مسئلہ تفضیل ثابت و مشروع ہو گیا اب اس کا
انکار درست نہیں۔

لیکن تفضیل پر متفق ہونے کے بعد جمہور ہی میں افضل الصحابہ میں پھر اختلاف اٹھ کھڑا ہوا
خطابہ حضرت عمرؓ کو افضل قرار دے رہے ہیں راوندیہ حضرت عباسؓ کو افضل ثابت کرنے
میں لگے ہوئے ہیں اور شیعیہ ان سب کو کافر قرار دیتے ہوئے حضرت علیؓ کی فضیلت پر
اڑے ہوئے ہیں لیکن اہل السنہ والجماعت قرآن واحادیث اور صحابہ کے اجماعی فیصلہ کے
پیش نظر صدیق اکبرؓ کو تمام صحابہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔ صدیق اکبرؓ کے بعد حضرت عمرؓ
پھر حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہما اس کے بعد حضرت علیؓ رضی اللہ عنہما دیگر تمام صحابہ کرامؓ سے افضل ہیں اگرچہ
اہل السنہ ہی میں بعض کوئی حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فوقیت دیتے ہیں لیکن جمہور اہل السنہ
کے مسلک کے مقابل ان کے مذہب کا کوئی اعتبار نہیں اس انفرادی تفضیل کے بعد تمام
تمام صحابہ کی فضیلت کی ترتیب قائم کرتے ہوئے ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے
ہیں کہ ہمارے اکابر اس پر متفق ہیں کہ خلفاء اربعہ اپنی ترتیب خلافت میں ایک دوسرے
سے مقدم اور افضل ہیں ان کے بعد عشرہ مبشرہ پھر بدری صحابہ پھر شمر کا واحد اور پھر
شمر کا وسیعہ الرضوان علم جبراً تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تفضیل کے مسئلہ میں ایک جماعت یہ معیار قائم کرتی
ہے کہ نبی کی زندگی میں جو صحابہ وفات پا گئے وہ اپنے بعد والوں سے افضل ہیں علامہ ابن
عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول شاذ
کی صراحتاً تردید فرمائی ہے۔

اس تشریح کے بعد یہ بحث آتی ہے کہ تفضیل صحابہ دنیاوی اور ظاہری ہے یا نفس الامر ہی وہ
قطعی اور بدیہی ہے ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ یہ تفضیل اجتہادی اور ظنی ہے نفس الامر سے
اس کا کوئی تعلق نہیں شیخ ابوبکر باقلانی کی بھی یہی رائے ہے جب کہ دوسری جماعت کا یہ یقین
ہے کہ صحابہ کی تفضیل ظاہری و دنیاوی ہونے کے ساتھ ساتھ باطنی اور قطعی ہے اور فی الحقیقت
نفس الامر میں بھی یہی ترتیب ہے شیخ ابوالحسن اشعری اس کے بڑی شدت سے قائل ہیں

اور یہی باورزن اور رائج قول ہے۔

(ج) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیغمبر اسلام کے وہ رفقاء اور ساتھی تھے جن کو خود حق تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت و رفاقت کیلئے منتخب فرمایا تھا اور خود اپنے دست قدرت سے ان کی تربیت فرمائی بلکہ جماعت صحابہ کا تقدس اتباع شریعت کا والہانہ جذبہ اور ان کا فہم دین اور اجتہاد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے انہیں امتیازات و خصوصیات کی بنا پر انہیں اپنے اعتماد و بھروسے کا مرکز و محور قرار دیا صحیح حدیث میں موجود ہے کہ بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں کسی مافوق الفطرت امر کا تذکرہ ہوتا ہے جیسے گائے یا بھیڑ کیے کا بات کہنا تو آپ نے حضرات شیخین ابوبکر و عمر کی غیر موجودگی میں یہ کلمات فرمادیے ہیں ”آمنت بہ انا و ابوبکر و عمر“ ان کی غیر موجودگی میں انکی طرف سے انکے ایمان کی شہادت دینا یہ ان دونوں کے اوپر مکمل اعتماد اور بھروسہ کرنے کی طرف ہی اشارہ تھا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنیوالی اپنی امت کو اس بات سے باخبر کیا کہ مختلف ادوار میں دین و ملت کو مختلف اندیشے و فتنے پیش آتے رہیں گے ان ہولناکیوں اور ہر دور میں پیش آنے والے فتنوں کی خوفناک آندھیوں سے بچنے کیلئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے طریقہ و سنت کو مضبوطی سے تھامے رہنے کا حکم دیا ہے وہیں اپنے محبوب صحابہ کے کردار و عمل کا بھی مکمل طور پر تقلید و اتباع کی دعوت دی ہے چنانچہ جب یہ سوال پیدا ہوا کہ امت کے دور فتن میں کس جماعت کے اسوہ و عمل سے راہنمائی حاصل کی جائے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”ما انا علیہ و اصحابی“ یعنی وہ جماعت تقلید و اتباع کے لائق ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طور و طریقہ پر ہوگی۔ یہاں آپ نے وہ فیصلہ کن آئین بتانا چاہا جو ہر زمانہ کے مناسب حال ہو وہ صرف کتاب و سنت ہی نہیں بلکہ وہ اس کی عملی تصویر ہے جو آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے بطور اسوہ پیش کیا صحابہ کرام نے اس کے ایک ایک خط و خال کو دیکھا اور ہو بہو اس کی نقل کی اب ادھر یہ اسوہ سنہ اور ادھر اس کا وہ مکمل نقشہ تھا پلوچھنے والوں کیلئے اس سے زیادہ صاف اور سیدھی بات کیا ہو سکتی ہے کہ دور فتن میں اپنے عقائد و اعمال کو صحابہ کے عقائد و اعمال پر پیش کرو اگر وہ اس کے ہو بہو مطابق ہیں تو یقین کرو کہ تم راہ نجات و سلامتی پر گامزن ہو ورنہ ہلاکت و بربادی تمہارا مقدر ہے۔

قرآن شریف ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہوں یا پھر آپ کا اسوہ حسنہ اور کردار و عمل ہو یہ ساری چیزیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقل کرنے سے امت تک پہنچی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مکمل اعتماد کا اظہار فرمایا ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ امت بھی ان پر اسی جذبہ سے اعتماد کرے ایک عالم گیر دین جس مقدس گروہ کا نکلنا ہے اگر وہی گروہ ناقابل اعتماد ہو جائے تو پھر آئندہ دور میں اس دین کا خدا حافظ۔

پس صحابہ کرام کا وجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم معجزہ ہے اور آپ کی تعلیم و تربیت کا ایک مقدس مرقع ہے وہ امت کی آبرو اور ملت کی روح ہیں ان کی ذات پر بال برابر حرف دین کی عظیم شان عمارت کو شکستہ کر دے گا۔ پھر مکمل نظام حیات دین فطرت اور دائمی ملت کا دعویٰ بھی بے بنیاد ہو کر رہ جائے گا۔

اب ذیل میں چند آیات و احادیث شریفہ نقل کی جاتی ہیں آپ درج بالا مضمون کو ان سے ملال کیجئے اور اسے مزید پھیلائیے۔

- ۱- ان الذین آمنوا وھاجروا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم حرجۃ عند اللہ واولئک ھم الفائزون۔
 - ۲- رجال لا تلھمھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والابصار۔
 - ۳- ولما رای المؤمنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا اللہ ورسوله وصدق اللہ ورسوله وما زادھم الا ایماناً وتسلیماً۔
- اس میں غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ کی ایمانی شجاعت و سالت اور ان کی قربانی کی تصویر کھینچی ہے۔
- ۴- والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔

لے مذکورہ مضمون مولانا عبد الاحد صاحب فاضل جامع ازہر مصر مدیر پندرہ روزہ گلشن کے ایک ادارے ماخوذ ہے مضمون کی سلاست جامعیت اور اختصار و اسلوب کو دیکھتے ہوئے اس جگہ اس کا انتخاب کیا گیا اور اس رواں دواں مضمون کو کچھ حذف و ترمیم سے نقل کیا گیا۔

شرح اردو ابن ماجہ ۱۲۰ مصباح الزجاجة

۵- محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله ورضواناً.

۶- عن عمر بن الخطاب رضي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم (رواه زين)

۷- عن انس رضي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل اصحابي في امتي كالملح في الطعام لا يصلح الطعام الا بالملح (شرح السنه).

۸- عن ابى سعيد الخدري رضي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تسبوا اصحابي فلو ان احدكم انفق مثل احد ذهباً ما بلغ مد احدهم ولا نصفه (متفق عليه).

۹- عن جابر رضي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تمس النار مسلماً راى او راى من راى (ترمذى).

۱۰- اصول حديث كقاعده كليه "الصحابه كلهم عدول"

(۵) صحابہ کرام کی مقدس اور پاکباز جماعت کے کسی فرد کو بدف تنقید بنانا یا اس کی دینی حیثیت کو مجروح کرنے کے ساتھ ساتھ اسے برا بھلا کہنا قطعاً حرام اور بدترین اکبر الفواحش ہے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اسی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال القاضي وسب احدهم من المعاصي والكبائر ومذهبنا ومذهب الجمهور انه لا يعزرو ولا يقتل وقال بعض المالكيه يقتل .

قاضی فرماتے ہیں کہ کسی صحابی کو برا بھلا کہنا معصیت اور گناہ کبیرہ ہے اس سلسلے میں ہمارا اور جمہور امت کا مذہب یہ ہے کہ یہ نافرمان کو قتل تو نہ کیا جائے لیکن درے لگا کر جائیں جب کہ بعض مالکیہ اس کے قتل کا فیصلہ کرتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق کوفہ کے فقہاء کی ایک جماعت نے بھی مالکیہ کی طرح ایسے شخص کے قتل کا فیصلہ کیا ہے۔

لے مسلم شریف جلد ثانی شرح نووی ض ۳۱ لے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کا خمینی اور اثنا عشریہ نمبر ماہ صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ ص ۸۶۔

اس کے بعد ناقد و شاتم کے درجہ کی وضاحت اور اس کے حکم کی تصریح کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب الصارم المسلول میں فرماتے ہیں:-

وقال القاضي ابو يعلى الذمى عليه
الفقهاء في سب الصحابة ان كان
مستحلاً لذلك كفر وان لم يكن
مستحلاً فسق ولم يكفر سوا
كفرهم او طعن في دينهم مع
اسلامهم.

قاضی ابویعلیٰ نے فرمایا اس مسئلہ پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی بد بخت صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرے اس کو جائز سمجھ کر تو وہ کافر ہے اور اگر جائز نہیں سمجھتا محض گناہ ہی جانتا ہے تو کافر تو نہیں ہوگا لیکن فاسق اور سخت قسم کا گناہ گار ہوگا خواہ یہ گستاخی یہ ہو کہ ان کو کافر کہے یا ان کو مسلمان مانے ہوئے ان کی دینی حیثیت کو مجروح کرے اور ان کو بد دین کہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے یہ صراحت کی ہے کہ ہر کافر کی توبہ دنیا و آخرت میں مقبول ہے لیکن اس کافر کی توبہ مقبول نہیں جس نے نبی یا شیخین کو سب و شتم کر کے کفر اختیار کیا ہو۔

سوال ۳۱ :- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَلَا إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى كُلِّ خَلِيلٍ مِنْ خَلِيلِهِ وَكَوْنْتُ مُتَخَذًا خَلِيلًا لَا تَخْذُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا إِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلُ اللَّهِ قَالَ وَكَيْفَ يَعْنِي نَفْسَهُ.

(الف) اعراب لگا کر مطلب خیر ترجمہ کیجئے۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کیجئے۔

(ج) حضرت صدیق اکبر رضی کی مختصر مگر جامع سوانح عمری تحریر فرمائیے۔

جواب سوال ۳۱ :- (الف) اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جان رکھو کہ میں ہر ایک (انسان) قسم کے دوست کی دوستی سے بالکل بے نیاز ہوں (اور نہ ہی

۱۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کا زمینی اور اثنا عشر نمبر ماہ صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ ۶۸۔

۲۔ ترمذی شریف جلد ثانی ص ۲۲۷ حاشیہ نمبر ۱۔

کسی انسان کو دوست بنانا میسر لے مناسب لیکن اگر بالفرض میں کسی کو دوست بنانا تو یقیناً ابو بکر ہی کو بنانا (لیکن دوست بنانے کی اسلئے ضرورت نہیں کہ تمہارے اس صاحب امام و کعب فرماتے ہیں کہ یہاں آپ نے خود کو مراد لیا ہے) کو اللہ نے دوستی کا شرف بخشا اور وہ صرف اللہ کا دوست ہے۔

(ب) ولو كنت متخذاً خليلاً لا تتخذني اباً بکر۔

اس کے ذیل میں مولانا ساجد صاحب لکھتے ہیں :-

مطلب یہ ہوگا اگر میسر لے یہ بات جائز ہوتی کہ میں کسی کو اس شان کیساتھ محبوب اور دوست بناؤں کہ اس کی محبت میں سر دل میں گھر کر جائے اور میرے دلی راز و نیاز اس پر بے حجاب ہو جائیں تو میں ابو بکر کو پسند کرتا کہ ان کو اس شان کے ساتھ محبوب اور دوست بناؤں لیکن چونکہ ان خصوصیات کیساتھ میں نے صرف اللہ کو دوست بنایا ہے اسلئے مخلوق میں اس شان و صفات کے ساتھ کوئی دوست نہیں ہے۔

ان صاحبکم خلیل اللہ۔

امام و کعب فرماتے ہیں کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب سے خود کو مراد لیا ہے نیز سباق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنائیت اور کسوفی کے طور پر اپنا بلند نام و مرتبہ ظاہر نہیں کیا بلکہ مربی و محسن ہونے کی حیثیت سے اپنے کو صحابہ کرام کا محض مصاحب قرار دیا۔

تو مطلب یہ ہوا کہ جب میں اللہ کا خلیل اور اس کا دوست ہوا اور رب جلیل نے مجھے اپنی خلت سے نوازا دوستی کے عظیم منصب پر فائز کیا اور طرح طرح کے انعامات و اکرام کی بارش کی تو میسر لے یہ مناسب نہیں کہ اپنے دل میں اس کی خلت کے علاوہ کسی انسان کو جگہ دوں اور اس کے ساتھ ساتھ کسی اور کو بھی رفیق و خلیل ٹھہراؤں۔

خلیل اللہ کے الفاظ سے اس مسئلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے محبوب اور اس کے خلیل ہیں۔

(ج) "نسل انسانیت کا عطر و جوہر ملت اسلامیہ کا دل و دماغ عالم اسلام کا فقید المثال خلیفہ

لہ کشف الحاجۃ ۱۹۶

شرح اردو زبان ماجرہ ۱۲۳ مصباح الزجاجة

دنیا کے انسانی کالائانی مدبر و قائد اپنے جان و مال کی آزمائش کی آگ میں بھونکنے والے قدم قدم پر نبی کی رفاقت کرنے اور باطل کے خلاف مسلسل برسرِ پیکار رہنے والے اس عظیم انسان کا نام عبداللہ بن ابی قحافہ کینت ابوبکر ماں کا نام سلمیٰ بنت صحرا اور لقب صدیق و عتیق تھا اگرچہ جاہلیت میں اسے عبدالکعبہ سے بھی موسوم کیا گیا لیکن اس دودھ کے دھیلے انسان کو یہ مشہر کا نام قطعاً اس نہ آیا جس کی فطرت میں اطاعت کو شہی طبیعت میں شکر سے منفرد دل و دماغ میں بیداری رچی بسی تھی اور جس کا سلسلہ نسب محض چھ پستول پر ہی نبی آخر الزماں سے جا ملتا ہے۔

جب مکہ میں صدائے نبوت گونجی جب امانت و دیانت کے پیکر ایک نبی نے دعوائے نبوت کیا اور انسانیت کی فطرت کو لگا کر جب اس نے تمام قومی غرور و انعام و شہر و رکے خلاف علم جہاد بلند کیا اور جب باطل کی کوہ کنی اور طاغوت پر تشہ زنی کیلئے ایک تیم تنہا ہی میدان میں آگیا تو صدیق اکبر بھی بلا لیس و پیش ابتلا و آزمائش کے اس کھولتے سمندر میں کود پڑے اور بے خوف و خطر مستقبل سے بے پرواہ ہو کر انھوں نے جس طرف خیر تھی اپنی جان کو جو کھم میں ڈالتے ہوئے اس طرف بڑھتے ہی چلے گئے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و فکر اور ان کے مشن کی تبلیغ کیلئے وقت ہو گئے۔ مشرکین نے طعنہ دیئے فقرے چیت کئے الزامات لگائے بہتان طر زیاں کیں مذاق اڑایا نبی کے ساتھ مارا اور خون میں نہلایا حتیٰ کہ معاشرتی بایر کاٹ تک کر دیا لیکن اس مرد آہن کے پائے استقلال میں جنبش تک نہ ہوئی جس کو قدرت نے نبی کی ولادت کے دو سال بعد ہی اس کی رفاقت کیلئے سڑھ میں دنیا میں بھیج دیا تھا اور جس کو تمام اوصاف حمیدہ، لیاقت و صلاحیت کا ایسا مجموعہ بنایا تھا کہ جاہلیت میں قریش نے اسے اپنا قاضی و والی بنایا مسلمانوں نے نبی کی مسند خلافت پر بٹھایا اور خداوند قدوس نے انبیاء کے بعد سب عظیم انسان ہونے کے شرف سے نوازا اور جس کی فطرت اتنی پاکباز تھی کہ حق گوئی، سخاوت، خدا ترسی، رحم دلی و نرمی اس کے ممتاز اوصاف تھے اور زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی شراب اس کے لبوں کو نہ چھو سکی جس کی ایمانی شجاعت و بسالت اتنے عروج پر تھی کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوٹیری کی پہرہ داری کیلئے وہ اکیلا ہی تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور کسی طاغوت کے بندے باغی فطرت کو قریب تک نہ پھٹکنے دیا اور جب وفات نبوی کے وقت کفر و ارتداد کی وبا میں

بھڑپیں تو ان زہریلے عناصر پر وہ شیر کی طرح گرجا اور بادل کی طرح کڑکا اور ایک سال سے پہلے ہی اس شیطانی فتنہ اور طاغوت کے منصوبے کی بساط پلیٹ دی یہی اپنے وقت کا ایسا حاتم تھا کہ اپنے مال کو راہ دین میں پانی کی طرح بہایا ہزاروں مسلمانوں کو فائدہ پہونچایا سینکڑوں غلاموں کو آزاد کرایا اور بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا اور اتنا خرچ کیا کہ آپ بھی آخر آخر تک ان کے جان و مال سے نفع محسوس کرتے رہے اور براہِ شکر گزار رہے۔

لیکن طاغوت کا زور توڑ کر شیطان کا پنجہ موڑ کر ۲۳ جمادی الثانی ۳ھ کی درمیانی شب میں جب اس دریادل انسان نے دنیا سے کوچ کیا تو ایک تاریخی مثال قائم کرتے ہوئے اپنے تین لڑکوں تین لڑکیوں اور تین بیویوں کے علاوہ دیگر ورثاء کیلئے ایک پرانا پیالہ ایک دبی انڈی اور ایک بھٹی پرانی چادر ترکہ میں چھوڑی اور اس دار فانی میں ۶۳ بہاریں گزار کر ایمان و یقین، صداقت و امانت اور نور و ہدایت کا یہ عظیم پیکر اپنے اس آقا کے پڑوس میں جاسویا جس کی تادم حمایت و نصرت کا وعدہ کر رکھا تھا اور دنیا کو بتا دیا کہ محبت اسے کہتے ہیں کہ ساتھ ہی ایک شہر کو چھوڑا دوسرے کو مسکن بنایا ایک دوسرے کے دکھ درد کو جھیلنے ہوئے بھی رفاقت و مصاحبت قائم رہی اور بالآخر قیامت تک کیلئے اسی کے جوار رحمت میں ابدی نیند سو گیا۔

ذیل میں اسی سلسلے کی چند احادیث درج کی جاتی ہیں:-

- ۱- عن انس رضی قال قیل یا رسول اللہ امی الناس احب الیک قالت عائشہ رضی قیل من الرجال قال ابوہا (ابن ماجہ)۔
- ۲- عن ابی ہریرۃ رضی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما انک یا ابابکر اول من یدخل الجنۃ من امتی (ابوداؤد)۔
- ۳- عن حذیفۃ بن الیمان رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر (ترمذی)۔
- ۴- عن عائشۃ رضی قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی لقوم

لہ صدیق اکبرؓ کے حالات کو قلمبند کرنے میں تاریخ اسلام جلد اول سے مدد لی گئی ہے اور حتی الامکان یکوشت کی گئی ہے کہ صدیق اکبرؓ کی پوری زندگی اس مختصر مضمون میں سمٹ آئے۔

فیہم ابوبکر ان یؤمّمہم غیرہ .

۵۔ عن ابن عمر رضی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا بی بکرات صاحبی فی الخار وصاحبی علی الحوض (ترمذی) .

سوال ۳۳۳:۔ عن ابی بنی کعب رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَوَّلُ مَنْ يُصَافِحُهُ الْحَقُّ عُمَرُ وَ اَوَّلُ مَنْ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَ اَوَّلُ مَنْ يَأْخُذُ بِيَدِهِ فَيَدْخُلُهُ الْجَنَّةَ .
(الف) اعراب لکھیے اور ترجمہ کیجیے۔

(ب) حضرت عمر کی مختصر سوانح عمری تحریر فرمائیے۔
(ج) ”اَوَّلُ مَنْ يَصَافِحُهُ الْحَقُّ“ کی مختلف توجیہات پیش کرنے کے بعد بتائیے کہ کیا ”الحق“ سے ذات خداوندی بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ نفی و اثبات میں جو جواب لکھیں مدلل لکھیں۔

جواب سوال ۳۳۳:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجیے۔
حضرت ابی کعب رضی فرماتے ہیں کہ (قیامت میں) جس انسان سے حق سب سے پہلے مصافحہ کرے گا وہ عمر ہوں گے اور عمر ہی کو سب سے پہلے حق سلام کرے گا اور انھیں کا ہاتھ پکڑ کر سب سے پہلے جنت میں داخل کرے گا۔

(ب) ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مکی زندگی میں اسلام کے اقبال و عروج اس کی شان و شوکت اور اس کی قوت و عظمت کیلئے براہریہ دعا فرمایا کرتے تھے ”اللھم اعز الاسلام بعمر“ اے اللہ عمر کے ذریعہ اسلام کو عزت و طاقت عطا فرما۔

یہ دعا آپ اس رعب و دبدبہ کے مالک عظمت و صلابت کے مینارے اور شجاعت و بہادری کے اس پہاڑ کیلئے مانگا کرتے تھے جو ہجرت نبوی سے چالیس سال قبل خطاب بن نفیل کے غریب گھرانے میں پیدا ہوا تھا جس کا سلسلہ نسب اٹھویں پشت میں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مل جاتا ہے جس کا بچپن و لڑکپن اوٹھوں اور کبریوں کے چرانے میں گذرا ، جوانی میں سپہ گری پہنچائی شہسوار سی اور سفارت میں اہم مقام پیدا کیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انا النذیر العزیز کی آواز لگائی لا الہ الا اللہ کی صدا میں بلند کیں اور شرک و بت پرستی کے خلاف علی الاعلان جہاد شروع کیا تو کفار مکہ کی

طرح یہ بھی بھڑک اٹھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید و تکذیب کیساتھ نغوظا الشراپ کے قتل تک کا ارادہ کر لیا لیکن ان کی زندگی کا یہی خطرناک ارادہ بہن و بہنوئی کے ایمان و خون کی حرارت سے ایک خوشگوار واقعہ بن کر ایمان کی جانب کھینچ لایا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں آگرے ان کا اسلام لانا تھا کہ مسلمانوں کی اللہ اکبر کی صداؤں سے ابوبیس کی چوٹیاں گونج اٹھیں۔

فاروق اعظم کے اسلام سے پہلے مسلمان اپنے ایمان کو چھپائے پوشیدہ طور پر نمازیں پڑھتے اور چھپ چھپ کر وحی الہی کے مطابق عمل کرتے لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد کافروں سے جنگ و جدال کیا اور اتنی معرکہ آریاں کیں کہ مجبور ہو کر کفار مکہ کو مسلمانوں کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے کی اجازت دینی پڑی۔

ہجرت کی اجازت نازل ہونے کے بعد جب مکہ و مسلمان چھپتے چھپاتے ہجرت کرنے لگے اور پوشیدہ طور پر شرب کی جانب کوچ کرنے لگے تو فاروق اعظم نے تلوار سنبھالی تشر با تھ میں لیا اور کفار کی اُفیت کو لٹکارتے ہوئے علی الاعلان ہجرت کی کسی بھی بدباطن کو اس شیر بر کے پھیرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اپنے ایمانی عہد کو نباہتے ہوئے ہر ہر قدم ہر ہر غزوہ میں آنحضرت کیساتھ ساتھ رہے دنیا پر رسالت سے فاروق کا خطاب ملا نیز جنگ بدر کے اساری مسئلہ حجاب اور ابن ابی کی ناز جنازہ کے سلسلے میں بدریہ وحی آپ کی بلائے عالی کی تصویب فرمائی گئی اسی کی بنا پر رسول اللہ نے فرمایا ”ان الله وضع الحق على لسان عمرو“ اور آپ کی جامع صفات کے پیش نظر لسان نبوی سے یہ کلمات جاری ہوئے ”لو كان بعدى نبى لكان عمرو“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مشیر خاص ان کے دست راست بنے رہے اور اپنی ذہانت و ذکاوت سے خلافت کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے انہیں خلیفہ نامزد کیا مسلمانوں نے ان کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہوئے بیعت کی تو اسلام کے عروج و اقبال میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور فتوحات کا تو گویا سیلاب امتداد پڑا مسلمانوں کی ایسی زبردست بے مثال حکومت کی بنیاد پڑی جو یک وقت عراق ایران خراسان و بلوچستان شام و فلسطین اور مصر و آرمینیا کا احاطہ کرتے ہوئے تھی اور جس کا رقبہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل تھا۔

۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ چہار شنبہ کا وہ منہوس دن تھا جب ابو لؤلؤ فیروز بادشاہ نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا اور لگاتار چھ وار کئے نیکم محرم الحرام ۲۴ھ کو یہ بے مثال قاتلانہ وارثوں کو روٹا بلکہ مٹا عالم اسلام کو غمگین چھوڑ کر اپنے دونوں بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے جاملانا زبنا نہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ پڑھائی حضرت عثمان عبدالرحمن بن عوف علی زبیر اور آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمر نے روضہ اقدس میں بائیں جانب سپرد خاک کیا اور یوں اسلام کا وہ درخشاں ستارہ غروب ہو گیا جس کے دم سے اسلام کی شان و شوکت قائم تھی جس کی ایمانی شعاعوں سے روم و ایران کی آنکھیں خیرہ ہو چکی تھیں تعلیمات الہی کا وہ امین اٹھ گیا جس سے قرآن و حدیث کے غلغلے اور محراب و منبر پر رونق تھے شریعت محمدی کا وہ پاسباں روٹھ گیا جس سے شیطانوں اور دجالوں کے پتے پانی ہوا کرتے تھے ملت اسلامیہ کا وہ شیر سو گیا جس کی ہدایت سے یہودیوں عیسائیوں رومیوں اور ایرانیوں کی نیندیں حرام ہو جاتی تھیں۔

(ج) علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ حق سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کو صاحب الحق کہا جاتا ہے اور جس کی وساطت سے رب جلیل الہامات کو عباد صالحین کے قلوب تک القاد کرتے ہیں علامہ ابن حجرؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

اہل علم کے ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ حدیث باب میں حق سے باطل کی ضد مراد ہے اور اسلام و مصافحہ سے حضرت عمر اور حق کی باہمی مقاربت اور انسیت کو بطور تشبیہ تعبیر کیا گیا ہے یعنی حق ان کے رنگ و ریشہ اور گوشت پوست میں رچ بس گیا ہے اور وہ حق بات کے علاوہ کچھ نہیں کہتے علامہ سید انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کی بھی یہی رائے ہے۔

ان توجہات کے بعد اس کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ حق سے مراد ذات خداوندی کو بھی لیا جاسکتا ہے حضرت مولانا رحمت اللہ لکھنوی نے جامع المناقبؒ میں حق کا ترجمہ اللہ تعالیٰ ہی سے کیا ہے اور الحق "بقات خود اسم الہی بھی ہے نیز قرآن و حدیث میں بائیں تر تھا آپؐ اور تدوین پر حق کا اطلاق کیا گیا ہے واضح رہے کہ حافظہؒ بھی اور علامہ کشمیری کی تصریح کے مطابق یہ حدیث حضورؐ سے ہے۔

۱۔ حضرت عمرؓ کی سوانح میں تاریخ اسلام جلد اول سے مدد لی گئی ہے تاکہ دیکھئے جامع المناقبؒ اس کے علاوہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب نے اپنے درس ابن ماجہ میں تصریح کی تھی کہ یہاں ذات خداوندی مراد لی جاسکتی ہے۔ احقر نے مزید اطمینان کیلئے بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب کی طرف رجوع کیا تو مولانا مصروف نے بتایا کہ اور اقوال کے بالمقابل یہاں ذات خداوندی کو مراد لینا زیادہ رائج ہے۔

سوال ۳۴ :- عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَنَّهُ قَالَ يَحِلُّ رِضَا الْأَقْرَبِ أَنْ تَكُونَ مِنْهُ بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى .

(الف) اعراب لگا کر حدیث پاک کا ترجمہ کیجئے اور حدیث کے شان و پرورد پر مختصر روشنی ڈالئے۔

(ب) ردافض امامیہ اور شیعہ نے اس حدیث سے شیخین کی خلافت کے بطلان پر استدلال کیا ہے

آپ اس حدیث کا صحیح محل اور توجیہ لکھئے اور شیخین کی خلافت کو دلائل سے ثابت کیجئے۔

(ج) حضرت علی رضی کی زندگی پر اختصار سے روشنی ڈالئے اور ان کے مناقب میں وارد کم از کم تین احادیث

سیرد قلم کیجئے۔

جواب سوال ۳۴ :- (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی سے فرمایا

کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔

ماہ رجب ۹ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر ہنزل کے مقابلہ کیلئے

تبوک روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مصلحتوں کے پیش نظر اپنے گھر بار کی

حفاظت و نظامت کیلئے حضرت علی رضی کو مدینہ منورہ ہی میں چھوڑ دیا اور تمام صحابہ کو لیکر تبوک

کا رخ کیا ادھر مدینہ میں منافقین نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت علی رضی کو بار سمجھ کر یہاں چھوڑ دیا آپ کو علی رضی سے کوئی خاص لگاؤ نہیں حضرت علی

یہ طعنہ سن کر نہایت مغموم و دل برداشتہ ہوئے اور مسلح ہو کر بڑی تیزی سے نکلے اور ایک

کوس کے فاصلہ پر مقام الجرن میں اسلامی لشکر سے جا ملے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

منافقین کے پروپیگنڈہ کی تفصیل کہہ سنائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر

فرمایا منافقین جھوٹے ہیں میں نے تم کو اپنے گھر بار کی حفاظت کیلئے مدینہ میں چھوڑا ہے اور تم

کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی (کیوں کہ موسیٰ جب طور پر گئے تو اپنے

گھر بار اور امت کی حفاظت کیلئے ہارون کو نامزد کر گئے) فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد

کوئی نبی نہیں ہے۔

(ب) علماء حق فرق باطلہ کا جواب دینے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے شیعوں کا استدلال خلافت

بعد النبی علی کا حق تھی قطعاً درست نہیں کیوں کہ حضورؐ نے اپنی عدم موجودگی میں صرف غزوہ تبوک کے موقع پر علی کو اپنا جانشین والی بنایا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت ہارونؑ کو خلیفہ بنایا تھا وہ نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ نہیں ہوئے بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہی وفات پا گئے تو جب تشبیہ خلیفہ نہ بنا تو مشبہ کو کس طرح خلیفہ قرار دیا جاسکتا ہے نیز اگر یہ عارضی خلافت و جانشینی خلافت کبریٰ کی دلیل ہے تو پھر عبداللہ ابن ام مکتوم کو بھی خلافت و امامت ملنی چاہیے کیوں کہ ان کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غیر موجودگی میں خلیفہ و جانشین بنایا ہے۔ جلیل القدر محدث و مفسر حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی اس حدیث کے تمام اشکالات کو رفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”پس بادشاہ کا دار السلطنت سے نکلنے وقت تا واپسی کسی کو وقتی طور پر نائب السلطنت مقرر کرنا اس امر کی دلیل نہیں کہ بادشاہ کی وفات کے بعد بھی وہ شخص بادشاہ ہوگا تو خلافت و نیابت محض خانگی امور اور اہل و عیال کی نگرانی سے متعلق ہے اس کو خلافت کبریٰ کی دلیل بنانا کمال ابلہی ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو کسی نہ کسی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو وہ قائم مقامی خود بخود ختم ہو جاتی۔ کسی فرد بشر کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں گزری کہ وہ ان صحابہ کی وقتی خلافت اور عارضی نیابت کو ان حضرات کی خلافت بلا فصل اور امامت کبریٰ کی دلیل سمجھتا رہا یہ امر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت علی کو حضرت ہارون علیہ السلام کیساتھ تشبیہ دی ہے سو ہم یہ عرض کریں گے کہ اس تشبیہ سے بے شک ایک قسم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن تشبیہ سے تمام امور میں مساوات لازم نہیں اس حدیث میں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہارونؑ کے ساتھ تشبیہ دی گئی تو اسارائے بدر کے بارے میں جب آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو اس وقت آپؐ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت ابراہیمؑ اور

۱۔ سیرت مصطفیٰ -

حضرت عیسیٰؑ کیساتھ تشبیہ دی اور حضرت عمرؓ کو حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کیساتھ تشبیہ دی جیسا کہ غزوہ بدر کے بیان میں مفصل گزرا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دینا "انت بمنزلۃ ہرون من موسیٰ" کہنے سے کہیں زیادہ بالا اور برتر ہے۔
اس تفصیل و توجیہ کے بعد اب ذیل میں شیخین کی خلافت و نیابت کے دلائل قلمبند کرتے جاتے ہیں:-

- ۱- عن حذیفة رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لادری ما نقائی فیکم فافتدوا بالذین من بعدی و اشار الی ابن بکر و عمر و عثمان (ترمذی و ابن ماجہ)
 - ۲- عن عائشة رضی قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی لقوم فہم ان یؤمّمہم غیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ علالت میں صدیق اکبرؓ نے امام کے فرائض انجام دیئے اور اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے صدیق اکبرؓ سے کہا قدّمک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امر دیننا فمن الذی یؤخرک فی دنیانا۔
 - ۳- لو کان بعدی نبی لکان عمر۔
 - ۴- عن انس رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أبو بکرہ عمّ و عمر سید اکھول اهل الجنة من الاولین و الاخرین الا النبیین والمرسلین۔
یہ روایت انبیاء و رسل کے بعد سب افضل ابو بکر و عمر کو قرار دیتی ہے لہذا خلافت بعد نبی کے بھی وہی مستحق ہیں۔
- (سج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و پکار پر جہاں صدیق اکبرؓ خود بحجۃ الکبریٰ اور زیدین طائفہ نے لبیک کہتے ہوئے اپنے اپنے طبقہ میں اول الاسلام کا اعزاز و خطاب حاصل کیا وہیں باہمی شانداران کا ایک معصوم بچہ عہد طفولیت ہی میں اپنے خاندان و معاشرہ سے بغاوت کر کے رسول ہاشمیؐ کے دامن سے ہمیشہ کیلئے وابستہ ہو گیا اور اپنے ہم عمروں میں سب سے پہلے اسلام و ایمان لانے کی سعادت سے مشرف ہوا جس کا نام علی بن ابی طالب کنیت ابو الحسن اور دربار رسالت سے ملا لقب ابوتراب تھا جو ایمانی شجاعت کے ساتھ ظاہری جسامت میں بھی نہاد و دھڑلے بدن کا حامل تھا۔

ذرا سوچئے تو سہی جب باد مخالف سے بڑے بڑے سوراخوں کے قدم اکھڑ رہے تھے جب طوفان کے آثار دیکھ کر اچھے اچھے خوفزدہ ہو رہے تھے جب پہلوانوں اور بہادرؤں کی ہمتیں جواب دے رہی تھیں اور ایمان لانا گویا عرب و عجم سے دشمنی مول لینا موت کو دعوت دینا تھا تو ایسے سنگین حالات میں ایک دبلے پتلے بچے کے اندر کہاں سے یہ ہمت آگئی کہ خرچہ نکاتیر سہنے معاشرہ میں اچھوت بننے کیلئے وہ نبی امی کیساتھ ہولیا اور اس دعوت کو فوراً قبول کر لیا جس کی مخالفت ہر عربی بڑے بچے کی ذمہ داری تھی اور جس کو قبول کرنے سے اس کے خاندان کے بڑے بوڑھے صاف انکار کر چکے تھے اور پیغمبر آخر الزماں کی اتباع محبت و عقیدت میں وہ اتنا سخت جان ثابت ہوا کہ ہر ہر نشیب و فراز میں وہ نبی کی رفاقت نباہتا رہتا تھا مکہ کی تیرہ سالہ قیامت سوز زندگی میں جو تیرہ نبی پر داغے گئے شیطان کے توپ خانوں سے جو داعی حق پر بمباری کی گئی فاطمہ زہراؓ اسد کا سچوت نبی کا چچا زاد بھائی اور لاڈلا داماد علی مرتضیٰؓ بھی اس سے گھائلی ہوئے بغیر نہ رہ سکا مزید یہ کہ ہجرت کے موقع پر بلا جوں و چرا اس بستر پر لیٹ گیا جو صبح کو قتل بننے والا تھا ان قربانیوں کی بدولت قدرت نے اس کے بازوؤں میں وہ فولادی طاقت عطا کی جو اس شیر خدا سے ٹکرایا پس گیا جو مقابلہ پر آیا لرز گیا اور جس نے اس کو چیلنج کیا وہ خاک و خون میں تڑپ کر رہ گیا اور اسلام کی غرور وہ تھوک کے علاوہ ہر ہر جنگ میں اس نے اپنی عقاب کی سی بے باکی اور گر جناک آواز سے کفار کے دل دہلا دیے بڑے بڑے سوراخوں کی صفیں کی صفیں الٹ دیں۔

۱۶ رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۰ شعبان ۱۰ میں خوارزم کی منعموبہ بند سازش کے تحت عبدالرحمن ابن بلجھم خبیث نے اس خیر و ہدایت شجاعت و ایسات کے پیکر خلیفہ رابع بر فخر کی نماز کے وقت مسجد میں قاتلانہ حملہ کیا لیکن اس غم اور شدید تکلیف کے باوجود آپ پورے دن بقید جفا رہے اور دوسرے دن ۱۷ رمضان المبارک بروز سنیچر ۱۱ شعبان ۱۰ میں اس دار فانی سے کوچ کر کے امت کو داغ مفارقت دے گئے اور یوں خلافت راشدہ کی کتاب اور اس کا وہ روشن باب بند ہو گیا جو ہمد صدیقی سے برابر کھلا ہوا تھا جس میں روزانہ بے شمار فتوحات کا اندراج ہو رہا تھا خلافت خالی اور بزم دین اس کے اٹھ جانے سے سونی ہو گئی جس کی میاں مسلم اور جس کی قائدانہ صلاحیتوں کی دنیا معترف رہی جو حق و صداقت کی خاطر طوفانوں کا رخ موڑنے اور چٹانوں سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتا تھا جو باطل کیلئے شمشیر برہنہ اور اعدائے اسلام

کیلئے خدائی قہر تھا۔

ہزار ہا ہزار رحمتیں ہوں اس بندے پر جس نے اپنے زمانہ طفولیت و شباب نیز کھولت کو اسلام کیلئے وقف کر دیا اور ہزار ہا ہزار لعنت ہو اس خبیث پر جس نے عالم اسلام کو ایسے خدا ترس بیدار مضر اور شیر دل خلیفہ سے محروم کر دیا۔

اے خدا کے شیر الوداع، اے خلیفہ رابع الوداع
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں وارد ہوئی احادیث:

- ۱- عن زبیر بن حبیش قال قال علی رضی اللہ عنہ والذی فلق الحبۃ وربأ النسمۃ انہ لعہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلی ان لا یجئنی المؤمن ولا یتخفی الا منافق (مسلم)۔
 - ۲- عن عروان بن حصین رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان علیاً منی وانا منه وهو ولی کل مؤمن (ترمذی)۔
 - ۳- عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ ملجاء علی تدمع عیناء فقال آخیت بین اصحابک ولم تراخ بینی و بین احدی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت آخی فی الدنیا والآخرۃ (ترمذی)۔
 - ۴- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی رضی اللہ عنہ ان تكون منی بمنزلۃ ہارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی (متفق علیہ)۔
 - ۵- عن ام عطیہ رضی اللہ عنہا قالت بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حبیباً فیہم علی رضی اللہ عنہ فسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو رافع یدہ یقول اللہم لا تنسینی حتی ترینی علیاً (ترمذی)۔
- سوال ۱۳۵:** - عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت مستغلفاً احداً عن غیر مشورۃ لاستخلفت ابن ام عبد (الف) اعراب و ترجمہ کے بعد بتائیے کہ ابن ام عبد کون ہیں؟
(ب) روایت مذکور کے اختلاف کے بارے میں واضح کریں کہ اس کا تعلق خلافت عالیہ سے ہے

یا کسی بھی جگہ جانشینی مقرر کرنے کیلئے مشورہ ضروری ہے؟
(ج) اگر ابن ام عبد قریشی نہیں تو الاثمة من قریش کی صراحت کے باوجود ان کے اختلاف کی بات کیوں مذکور ہوئی؟

جواب سوال ۳۵:۔ (الف) اعراب کیلئے ۱۳ دیکھو۔

حضرت علی رضی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں بلا مشورہ کسی کو خلیفہ بناتا تو صرف ابن ام عبد کو بناتا۔

ابن ام عبد سے عبد اللہ بن مسعود مراد ہیں ایک کنیت ابو عبد الرحمن اور والدہ کا نام ام عبد تھا، زمانہ جاہلیت ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ سے متاثر ہو کر ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لے آئے اور سابقین اولین میں ان کا شمار ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی اور تقریباً تمام ہی غزوات میں شریک رہے نیز اسلام کے فرعون ابوجہل کا ناپاک سر آٹنے ہی اس کے جسم سے جدا کیا سجدہ میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفہ کا قاضی و والی نامزد کیا کوفہ کے تمام علماء بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ ہی کی عظیم شخصیت کے سر ہون منت ہیں آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور اپنی آخری عمر میں مدینہ منورہ واپس چلے آئے اور سجدہ میں انتقال کیا رات کے وقت جنت البقیع میں سپرد خاک کیا گیا انتقال کے وقت آپ کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی (رضی اللہ عنہ)۔

(ب) امام توریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں خلافت عالیہ کبریٰ مراد نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی لشکر پر امیر بنانے یا کسی خاص جزا کام کا پیشوا و نائب بنانے کا ارادہ کیا ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عالم جلیل، جبر اللامہ اور صاحب مناقب و فضائل ہونے کے باوجود قریشی نہیں ہیں اور خلافت عالیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الاثمة من قریش" کی رو سے خلیفہ کا قریشی ہونا شرط ہے لہذا اس حدیث سے خلافت عالیہ مراد لینا درست نہیں۔

کسی لشکر پر امیر بنانے یا کسی بھی جگہ جانشین مقرر کرنے کیلئے امام کیلئے مشورہ ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے اور یہ امام کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ جس کو مفید و مناسب سمجھے اسے جانشین اور قاضی وغیرہ مقرر کرنے کی حدیث باب میں "بخیر مشورۃ" کی صراحت اسلئے ہمیکہ آپ کو عبد اللہ بن مسعود کی صلاحیتوں اور خدا ترسی پر اتنا اعتماد ہے کہ انھیں خلیفہ و جانشین مقرر

شرح اردو ابن ماجہ

۱۳۲

مصابیح الزجاء

کرنے کیلئے کسی خاص مشورہ کی ضرورت نہیں اور دنیاوی امور میں عدم مشورہ سے عموماً جو نقصانات
ہوا کرتے ہیں عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں ان خطرات و وساوس کا کوئی امکان نہیں تو اس
صورت میں ان کے بارے میں مشورہ و عدم مشورہ دونوں برابر ہیں۔

جس طرح کہ تقدیر کے مسئلہ میں یہ تاویل کی جاتی ہے کہ نیکی و دعا کی اہمیت کی وضاحت کے لئے
”لا یرد القضاء الا الدعاء ولا یزید العبد الا البر“ فرمایا گیا اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ
کی عظیم شخصیت اور آپ کے علم و تفقہ نیز ان کی خدا داد صلاحیتوں پر اپنا اعتماد ظاہر کرنے کیلئے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ایسا کچھ عوارض کی بنا پر رکروں گا تو نہیں لیکن اگر کرتا تو
ابن مسعودؓ کے حق میں کرتا۔

اور یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسا کہ آپ نے صدیق اکبرؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا ”لو
كنت متخذاً خلیلاً لاتخذت ابابکرؓ“

اسی طرح ختم نبوت کو اجاگر کرنے اور فاروق اعظمؓ کی شان ان کی رفعت و عظمت بتلانے کیلئے
فرمایا گیا ”لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ“ تو اس طرح کے فرض کئے ہوئے واقعات سے ان
حضرات کی فضیلت و منقبت ثابت ہوتی ہے اور فی نفسہ یہی مطلوب ہوا کرتی ہے۔

بعض حضرات کا یہ بھی خیال ہے کہ ابن مسعودؓ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
غالباً ”الائمة من قریش“ کی تصریح سے پہلے کا ہے۔

یاد رہے کہ یہ توجہات جب ہی کی جائیں گی جب کہ حدیث باب سے بالفرض خلافت عالیہ مراد
لی جائے ورنہ امام توریشتی کی رائے اور ان کا فیصلہ نقل کرنے کے بعد کسی توجہ کی ضرورت
نہیں رہتی۔

سوال ۳۶ :- باب فی ذکر الخوارج .

عن ابی سلمة قال قلت لابی سعید الخدریؓ هل سمعت رسول الله صلی
الله علیہ وسلم یدکر فی الخرواۃ شیئاً فقال سمعت یدکر قوماً یعبدون
و یحقر احدکم صلواتہ مع صلواتہم و صومہ مع صومہم ینزفون من الذین
کما یسرق السهم من الرمیۃ اخذ سهمہ فنظر فی فصلہ فلم یر شیئاً
فنظر فی رصافہ فلم یر شیئاً فنظر فی قدحہ فلم یر شیئاً فنظر فی
القذۃ فتأربى هل یربى شیئاً أم لا .

شیراز اور ابن مابہر

۱۲۵

مسیح الزباہر

(الف) حدیث پاک پر اعراب لگا کر مطلب خیر ترجمہ کیجئے۔
 (ب) فرقہ خوارج کا تاریخ کی روشنی میں تعارف کرائیے۔
 (ج) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کیجئے۔

جواب سوال ۲۵ :- (الف) اعراب کیلئے ۱۳ دیکھئے۔

حضرت ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے ضروریہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کہتے سنا ہے تو انہوں نے کہا (ہاں) میں نے آپ کو ایک قوم کا تذکرہ کرتے سنا کہ وہ اتنی عبادت کرے گی کہ (اس کے ظاہر کو دیکھ کر) تم میں کا ہر ایک اس کی نماز کے مقابلہ میں اپنی نماز کو اور اس کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر و کمتر سمجھے گا (لیکن حقیقت یہ ہوگی کہ) وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے (آگے ان کی بے دینی کی تمثیل ہے) مثلاً کوئی (شکاری) اپنے (بھینٹے ہوئے) تیر کو پکڑ کر اس کی نوک پر (شکار کا نشان) دیکھے لیکن وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی پھر تیر کے پٹھے کو دیکھے وہاں بھی بظاہر کوئی علامت نہیں پھر تیر کی جانب دیکھے تو وہاں بھی کوئی نشان نہیں تو اب وہ تیر کے پر کی طرف نظر کرتا ہے تو شبہ میں پڑ جاتا ہے کہ یہ (شکار کا خون ہے یا نہیں) تو جس طرح تیر کے شکار سے نکلنے کے بعد کوئی علامت نہیں اسی طرح اس قوم کے اسلام و ایمان سے نکلنے کے بعد کوئی دینی علامت تک نہ رہے گی اور وہ اسلام و ایمان نیز دین و شریعت سے قطعاً ہاتھ دھو بیٹھے گی۔

(ب) جنگ صفین میں جب بہت زیادہ خون خرابہ ہوا اور دونوں ہی جانب سے مسلمانوں کا زبردستی جانی و مالی نقصان ہوا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تحت لڑنے والے اشتر کے پے درپے حملوں سے شامی فوجوں کے قتل و کشتار کے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (ایسا برا مرد معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے شامیوں نے اپنے نیروں پر قرآن کریم کو بلند کیا اور زور زور سے کہنے لگے "ہذا کتاب اللہ بیننا و بینکم" ہمارے ہمارے درمیان یہ قرآن فیصلہ کرے گا چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا صلح و صفائی کی جانب پیش رفت ہونے لگی اور دونوں جماعتوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کرنے کے بعد فیصلہ کیلئے انہیں چھ مہینے کی مہلت دی۔ اتنا ہونے کے بعد دونوں لشکروں نے اپنے اپنے کجاوے کسے شروع کر دیئے اور کوچ کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

تو بآسانی اپنی قیام گاہ پہنچ گئے لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ۱۳ صفر ۳۵ھ کو کوفہ کا قصد کیا تو کچھ شریکین نے آپ کو دوبارہ شامیوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اقرار نامے کے بعد اس بد عہد کی اور غدر سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ فیصلہ کی میعاد تک ہمیں انتظار و توقف کرنا چاہیئے آپ کے اس جواب کا یوں ہو کر انھوں نے خروج و بغاوت کی ٹھانی اور کوفہ کے قریب اپنے ہم خیال بارہ ہزار کی جماعت کو لیکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے الگ ہو کر جروار میں جا بسے عبداللہ بن الکواکب اپنا امام اور شعیب بن ربعی کو سپہ سالار مقرر کرنے کے بعد خوارج نے اپنے منشور کا اعلان کر دیا۔

”بیعت صرف خدا کے تعالیٰ کی ہے اور سنت رسول اللہ کے مطابق نیک کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے منع کرنا ہمارا فرض ہے کوئی خلیفہ کوئی امیر نہیں فتح حاصل ہونے کے بعد سارے کام مسلمانوں کے مشورے اور کثرت رائے سے انجام دیئے جایا کریں گے امیر معاویہ اور علی دونوں یکساں اور خطا و کار ہیں۔“

اس اعلان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ انھیں سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے اور بڑی کوشش کے بعد ان کو دوبارہ کوفہ لے آئے اور تمام حضرات حکمین کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا فیصلہ کی تاریخ آہستہ آہستہ اور دونوں گروپ کے لوگوں نے فیصلہ سننے کیلئے جائے مقررہ کی طرف کوچ کرنا شروع کر دیا لیکن جب حکمین نے اپنے اپنے فیصلے سنائے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ کو بحال کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا چاہا تو حامیان علی رضی اللہ عنہ بھڑک اٹھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس جانبدارانہ فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دوبارہ شامیوں سے جنگ کی تیاریاں شروع کیں اب خوارج کو بھی موقع ہاتھ آگیا وہ حضرت علی کو ملامت کرنے لگے کہ انھوں نے حکمین کو مقرر کر کے سخت غلطی کی تھی نیز اس طرح وہ گناہ کے مرتکب ہوئے اور اب توبہ کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گناہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ جب گناہ نہیں تو توبہ کا کیا مطلب۔

یہ سن کر خوارج طیش میں آگئے اور ”لا حکم الا للہ لا حکم الا للہ“ سے نعرہ دینے ہوئے اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چل دیئے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی جامع مسجد میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو مسجد کے گوشے سے ایک خارجی نے ”لا حکم الا للہ“ کی آواز

لگائی حضرت علی رضی نے اس کے جواب میں یہ تاریخی جملہ کہا ”کلمۃ حق ارید بہ الباطل“ اور انہیں ہر طرح سے سمجھایا لیکن ان کے لاکھ سمجھانے کے باوجود یہ کچھ فہم اور گمراہ لوگ باز نہ آئے اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں کوفہ سے نکل کر چھپتے چھپاتے مقام نہران پہنچ کر اپنی بڑھستی ہوئی پچیس ہزار کی تعداد کو منظم کر کے اپنی حکومت قائم کی اور حضرت علی رضی اور ان کے تابعین پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہوئے ان سے جہاد و قتال ضروری قرار دیا۔

اتنا ہونے کے باوجود حضرت علی رضی انہیں راہ راست پر لانے کیلئے دوبارہ تشریف لے گئے ہر طرح کے دلائل و براہین سے اپنے موقف کی وضاحت کی لیکن یہ ضدی اور بیٹ دھرم لوگ بار بار یہی کہتے رہے ”تم نے قرآن کی نافرمانی کی اور کافر ہوئے اب تمہارے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتے“ اور بڑی طرح لڑنے کیلئے تیار ہو گئے۔ ان کی اس بڑھتی سرکشی کے پیش نظر حضرت علی رضی نے شام کی مہم مؤخر کی اور پہلے انہیں نمٹنے کا فیصلہ کیا نیز فوج کو منظم کرنے کے بعد آپ نے یہ اعلان کر دیا کہ جو خارجی بغیر لڑے یہاں سے چلا جائے گا وہ مومن رہے گا اور اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اس اعلان کے بعد دو تہائی سے زیادہ خارجی وہاں سے بھاگ نکلے بغیر ایک تہائی کو گھیر کر حضرت علی رضی نے تہ تیغ کر دیا لڑنے والوں میں صرف نو آدمی ہی زندہ بچ سکے اس طرح بروقت یہ فتنہ بالکل دب گیا۔

خوارج کے چند مشہور عقائد :-

- ۱۔ مرتکب کبیرہ کافر ہے اور آخرت میں وہ مغلدنی النار ہوگا۔
- ۲۔ خوارج کا ہر مخالف کافر اور کبیرہ کا مرتکب ہے اسلئے اس سے قتال ضروری ہے۔
- ۳۔ حضرت عثمان حضرت علی اور حضرت عائشہ سے بغض و عداوت بھی اللہ کے عقائد میں داخل ہے۔
- ۴۔ رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں ہے۔
- ۵۔ کلام اللہ مخلوق ہے۔
- ۶۔ صحابہ قطعاً جنت نہیں۔

لے خوارج کے حالات مرتب کرنے میں دیگر کتابوں کے علاوہ تاریخ اسلام سے خصوصی مدد لی گئی ہے۔

- ۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حامی تمام صحابہ و تابعین کا فرہیں۔
- ۸۔ ظالم و فاسق امام سے خروج نہ کرینوالے اور سکوت و توقف اختیار کرنے والے بھی کافر ہیں۔
- ۹۔ نوح انسانی میں کوئی قبیلہ و خاندان کسی قبیلہ و خاندان سے افضل نہیں حتیٰ کہ قریش کو بھی دیگر قبائل پر کوئی فوقیت نہیں اور کوئی بھی قبیلہ خلافت کا امیدوار ہو سکتا ہے نیز غیر قریشی کو خلیفہ بنانا افضل ہے۔
- ۱۰۔ خلیفہ کا انتخاب آزادانہ طور پر کیا جائے گا اور وہ عدل و تقویٰ پر قائم رہتے ہوئے ہی خلیفہ رہ سکے گا ظالم یا فاسق ہونے کی صورت میں اس کو قتل کرنا یا معزول کرنا ضروری ہے۔
- ۱۱۔ خوارج قریش سے بغض و عداوت رکھتے ہیں اور ہر اس امر کے منکر ہیں جو ان کے خود ساختہ اصولوں سے ٹکرائے یا ان کی خواہش کے خلاف ہو۔
- ۱۲۔ بعض خوارج حالت حیض میں فوت شدہ نمازوں کی قضا کے قائل ہیں۔
- خوارج کے چند بنیادی فرقے:
- ۱۔ ازرقہ :- یہ فرقہ بنی حنیفہ کے ایک شخص نافع بن ازرق کی جانب منسوب ہے خوارج میں سب سے زیادہ متشدد اور ضدی فرقہ ہے جو اپنے مخالفین کے گھروں کو دار الحرب قرار دیتا ہے اور مخالفین کے بوڑھے بچے اور عورتوں کے قتل کے جواز کا قائل ہے نیز اس کے نزدیک انبیاء و رسل سے بھی صغار و کبار کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔
- ۲۔ نجرات :- قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک شخص نجدہ بن عویمر کی جانب منسوب ہے اور تشدد و تغفل میں ازرقہ کا ہمسر ہے۔
- ۳۔ صفریہ :- زیاد بن اصفر کی جانب منسوب ہے فرقہ ازرقہ سے کم اور دیگر تمام فرقوں سے زیادہ متشدد ہے۔
- ۴۔ عجارہ :- یہ فرقہ عبدالکریم بن عجر سے تعلق رکھتا ہے جو عطیہ بن اسود حنفی کا پیرو ہے۔
- ۵۔ اباضیہ :- عبداللہ بن اباض تابعی کی جانب منسوب ہے اہل سنت والجماعت سے سب سے زیادہ قریب اور خوارج میں سب سے زیادہ سلجھا ہوا یہی فرقہ ہے۔

لے خوارج کے عقائد اور ان کے فرق کی تفصیل شیخ ابوزہرہ مصری کی کتاب تاریخ المذاہب الاسلامیہ اول ص ۶۲ تا ص ۷۱ نیز جلد ثانی ص ۵۳ سے ماخوذ ہے۔ لے شیخ ابوزہرہ مصری نے اباضیہ کے بارے میں یہی تصریح کی ہے لیکن عبدالکریم شہرستانی نے الملل والنحل میں اس فرقہ کے بارے میں جو کچھ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۴۔ ثعلبہ بن عامر کی جانب منسوب ہے جو ابتدا میں عبدالکریم بن محمد کا ہم خیال تھا پھر ایک مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد پر الگ ہو گیا۔

اس کے علاوہ خوارج میں مزید دو فرقے اور ہیں جو بالکل کافر ہیں۔

۱۔ یزید بن ابیہ :۔ یزید بن ابیہ خارجی کی جانب منسوب ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عجم میں ایک رسول اور مبعوث ہوگا جس کی رسالت شریعت محمدی کو منسوخ کرنے کی نفوذ بالشر۔

۲۔ میمون بن عبدی کی جانب منسوب ہے یہ فرقہ محرم سے نکاح کا قائل ہے اور محرم کی جانب مائل ہے کیونکہ محرم ہی ایسے نکاحوں کے جواز کے قائل۔

(ج) کوفہ کے مضافات میں ایک شہر حروراء نامی واقع ہے کیوں کہ خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خروج و بغاوت کرتے ہوئے سب پہلے حروراء ہی میں قیام کیا تھا اور مستقل طور سے ان کو مسکن بنایا تھا تو اسی نسبت سے ان کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے۔

النصل: مولانا عبدالغنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں حدیدۃ السہم والرمح والسیف مالم یکن لہ مقبض یعنی تیرنیزہ اور تلوار کا وہ لوہا جسے پکڑنے کیلئے الگ موٹھ نہ ہو یعنی لوہے کی نوک۔

رصاص: وہ ٹٹھا جو چھڑ میں تیر کے پھل کے داخل ہونے کی جگہ سے اوپر لگایا جاتا ہے۔

رمیہ: تیر بھینکے کا آلہ کمان اور ایسے شکار کو بھی کہا جاتا ہے جس میں تیر پار ہو گیا ہو۔

قدح: بغیر نوک اور بغیر ہر والا تیر۔

القدح: قدح کی جمع معنی تیر کا پر۔

سوال ۴:۔ باب فی ذکر الخوارج

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْشُؤُ نَشْرُ يَقْرُؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يَجَاوِرُونَ تَرَاقِيَهُمْ كُلَّمَا خَرَجَ قَوْمٌ قُطِعَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

بقیہ صفحہ گذشتہ، تحریر فرمایا اس کے مطابق یہ بھی فرقہ یزیدیہ کا شریک و سہم معلوم ہوتا ہے اور اس کی رو سے اس کے اہل سنت والجماعت سے قریب ہونے کا تو کیا سوال اس کے کفر میں کوئی شک نہیں رہتا۔ دیکھئے الملل والنحل جلد اول ضلالتا ضلالتا

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُلَّمَا خَرَجَ قَوْمٌ قُطِعَ الْكُفْرُ مِنْ عَشْرِينَ مَرَّةً حَتَّى يَخْرُجَ فِي مَرَاخِئِهِمُ الدَّجَالُ.
(الف) اعراب لگا کر مطلب خیر ترجمہ کرنے کے بعد بتائیں کہ امام کی اطاعت سے خروج کا کیا حکم ہے؟
(ب) فرقہ خوارج کا تاریخ کی روشنی میں تعارف کرائیے۔

(ج) اکثر من عشرين مَرَّةً ابن عمر کا مقولہ ہے یا حضورؐ اور دونوں صورتوں میں کیا فرق ہوگا؟
جواب سوال کا ۳ :- (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آخر زمانے میں) کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو قرآن (پہنایت شاندار انداز میں) پڑھیں گے (اور حاملین قرآن ہونے کا دعویٰ کریں گے) لیکن (ریا اور بد باطنی کی وجہ سے) قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا (اور ان کی زندگیوں میں قرآنی تعلیمات کا حقیقتاً کوئی اثر نہ ہوگا) تو ایسے لوگ جب بھی ظاہر ہوں گے (منجانب اللہ) ان کو مٹا دیا جائے گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (خود) یہ کہتے سنا کہ ایسے لوگ جب بھی نکلیں گے (بہر مرتبہ) ان کو نیست و نابود کر دیا جائے گا (اور ایسا) بیس مرتبہ سے زیادہ (ہوگا) یہاں تک کہ انھیں کی نسل سے سچ دجال ظاہر ہوگا۔

امیر المسلمین اور امام وقت کی اتباع و اطاعت کی شریعت اسلامی میں ہے حد تکید کی گئی ہے اور اطاعت امیر نیز اتباع امام کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے تشبیہ دی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ اور امراء کی اطاعت کو خود اپنی اتباع و پیروی قرار دیا صحیح حدیث میں موجود ہے :-

”مَنْ يَطْعُ الْأَمِيرَ فَقَدْ اطاعني وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عصاني“
لیکن ”لا طاعة في معصية الخالق“ کی رو سے ان کی پیروی کے مسلمان جب تک ہی مکلف رہیں گے جب تک کہ وہ دین کی پاسبانی کے ساتھ ساتھ اقامتِ صلوٰۃ اور نفاذِ شریعت کا فریضہ انجام دیتے رہیں اور اعلیٰ کلمۃ اللہ نیز اسلام کی سربلندی کیلئے وہ برابر کوشاں رہتے ہوں۔ لیکن اگر بالفرض ان میں اقامتِ صلوٰۃ کے علاوہ دیگر خصوصیات معدوم و مفقود

عبداللہ بن مسعود

ہو جائیں اور فسق و فجور تک میں ملوث ہو جائیں تو ایسے حالات میں انھیں راہ راست پر لانے کی تو پوری کوشش کی جائیگی لیکن خروج یا بغاوت پھر بھی جائز نہ ہوگی اسی کو بیان کرتے ہوئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

”واما المخرج عليهم (الائمة والامراء) وقتالهم فحرام باجماع المسلمين وان كانوا فسقه ظالمين له“

چاہے امام فاجرو فاسق اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے گا اور اس سے بغاوت یا علیحدگی باتفاق فقہاء و امت قطعاً حرام اور کبائر کے ارتکاب کے مترادف ہوگی۔

باغیوں کا شرعی حکم :-

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ امام کی اطاعت سے خروج کرنے والوں اور باغیوں کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

”الباعی علی الاحاطہ ولو حائراً فاسق مرتکب الكبیره ان کان بغیہ
بلا تاویل او متاویل قطعی البطلان^۳“

معززہ بھی امام سے بغاوت کرنے والوں کو ناسخ اور مغلہ فی النار مانتے ہیں اور خوارج نہیں قطعاً کافر قرار دیتے ہیں۔

یہ تو خوارج اور باغیوں کا اخروی حکم تھا اب ان کا دنیوی حکم کیا ہے قرآن کریم نے صراحت کر دی کہ ”فقاتلوا التي تبغى“ بغاوت کرنے والی جماعت سے قتال کیا جائے گا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اسی کے پیش نظر فرماتے ہیں:-

”يقاتل الإمام مع الكفار والبغاة والخوارج وسائر أهل الفساد“

اس سلسلے کی ساری تفصیل اور فیصلہ کن وضاحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسوہ میں ملتی ہے کیونکہ انھیں

کی امامت خلافت میں خوارج نے بغاوت کرتے ہوئے ان سے خروج کیا تھا امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ

اس پوری تفصیل اور شرعی حکم کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں :-

۱۔ مسلم شریف جلد ۳۷ روح المعانی جز ۲۶ ط ۱۵۱۲ ۳۷ مسلم شریف جلد ۳۸ ۲۔ قدوری ص ۱۸۱ یاغری کی تفصیل

کیلئے دیکھئے فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۱۶، الباعثہ شامی جلد ۳ ص ۳۸۳ شرح وقایہ ثانی ص ۳۸۳ تفسیر طبری جلد ۱ ص ۱۲۱

روح المعانی جز ۶۶ معارف القرآن جلد ششم ص ۱۱۱ -

”واذا تغلب قوم من المسلمين على بلادهم وخروجوا من طاعة الامام دعاهم الى
العود الى الجماعة وكشف عن شبهتهم ولا يبدءهم بالقتال حتى يبدؤوه
فان بدؤوا قاتلهم حتى يفارق جماعتهم“

دعاهم الى العود الى الجماعة
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال سے پہلے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کی جانب بھیجا تاکہ انہیں
سمجھا بھگا کر جماعت کی شمولیت کیلئے مجبور کریں نیز علی رضی اللہ عنہ خود بھی دوسرے بغض نفیس انہیں
سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے۔

کشف عن شبهتهم
ان سے امام خروج کا سبب دریافت کرے علی رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا اگر ظلم کی وجہ سے انہوں نے
خروج کیا ہے تو ظلم کا ازالہ کرے اگر یہ وجہ نہ ہو بلکہ محض وہ اپنے علی رضی اللہ عنہ کی اور اپنی ولایت
کا دعویٰ کرتے ہوئے خلافت غصب کرنے کے موڈ میں ہوں تو یہ باغی ہیں اب سلطان کو ان
سے جنگ و جدال کرنا چاہیے۔

ولا يبدءهم بالقتال
یہ امام قدوری کی منفرد رائے ہے جب کہ امام خواہر زادہ نے لکھا ہے کہ جب وہ لشکر فرما
کر لیں تو ان کا قتال جائز ہے اور امام کو ان کی جانب سے جنگ کی ابتداء کا انتظار نہیں کرے گا۔

حتى يفارق جماعتهم
یعنی ان کی جمعیت کو منتشر کر دے اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے فتنہ کا بالکلیہ انسداد کر دے۔
(ب) فرقہ خوارج کیلئے دیکھئے صفحہ ۱۳۵۔

(ج) مولانا عبد الغنی دہلوی فرماتے ہیں کہ کلمہ خارج قرون قطع کے بارے میں دو احتمال ہیں
ایک تو یہ کہ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے دوسرے یہ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیث
کا ٹکڑا ہے۔

اگر اس جملہ کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول قرار دیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ انہوں نے یہ حدیث اور خوارج
کے بارے میں یہ پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیسیوں مرتبہ سنی ہے۔
اور اگر اس جملہ کو حدیث باب ہی کا ایک ٹکڑا قرار دیا جائے تو اس صورت میں غالباً یہ معنی ہوں گے
کہ اہل حق اس گمراہ جماعت سے ہر زمانے میں بیزار رہیں گے زیادہ قتال کریں گے اور اسکی

جڑوں کو کاٹ کر رکھ دیں گے لیکن اس کے باوجود یہ فتنہ انگیز جماعت اتنی سخت جان اور یہ لوگ اتنے بے شرم ہوں گے کہ پھر بھی ہر زمانے میں موجود رہیں گے یہاں تک کہ انھیں کے درمیان سے دجال اٹھ کھڑا ہوگا اور پھر قیامت قائم کر دی جائے گی۔
تو معلوم یہ ہوا کہ نفس پرستوں اور خواہشات کے غلاموں سے اگر اہل حق ایک زمانے ہی میں ہیں مرتبہ سے زیادہ قتال اور جنگ کریں تب بھی وہ خبیث اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے۔
قرآن اور سیاق و سباق کے لحاظ سے ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینا انتہائی مشکل امر ہے۔

سوال ۳۸:- عن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما قال کنا جلوساً عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنظروا إلى القمر ليلة البدر قال إنکم سترون ربکم كما ترون هذا القمر لأنصافون فی رؤیتہ۔
(الف) حدیث باب پر اعراب لگائیے اور ترجمہ کیجیے۔

(ب) رویت باری کے مسئلہ میں اہل سنت و دیگر فرقوں کے مذاہب مدلل بیان کیجیے۔
جواب سوال ۳۸:- (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجیے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن چاندنی رات میں) ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا اور ہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے اسی طرح عنقریب تم اپنے پروردگار کا دیدار کرو گے اور رویت باری میں تمہیں از دحام رکی مشقتوں سے بھی دوچار ہونا نہ پڑے گا (اور بلا کسی حجاب و مشقت کے رب جلجل کا نظارہ کرو گے)۔
(ب) امت کے گمراہ فرقے مستزلفہ خوارق جہیمہ اور بعض مرجیہ رویت باری تعالیٰ کا مطلقاً انکار کرتے ہیں اور قرآن و حدیث نیز اجماع امت سے قطع نظر درج ذیل چند عقلی دلائل پر انحصار کرتے ہوئے انکار رویت پر اڑے ہوئے ہیں۔

- ۱۔ مری کا ایک مکان میں ہونا ضروری ہے۔
- ۲۔ دیکھنے کیلئے مری کا ایک جہت و سمت میں ہونا ضروری ہے۔
- ۳۔ مری کو رائی کے سامنے ہونا چاہیے۔
- ۴۔ مری نہ اتنی زیادہ قریب ہو کہ قرب کی وجہ سے نظر نہ آسکے جیسے ناک و غیرہ اور نہ اتنی زیادہ

دور ہو کہ بعد کی وجہ سے وہاں تک آنکھ کی رسائی نہ ہو سکے۔
قوتِ باہرہ کی شعاعیں سے مرنی کا اتصال والتصاق ہونا لازمی ہے ظاہر ہے کہ درج بالا تمام
اشراط سے خداوند قدوس منزہ و مبرا ہے اور یہ صفات اس کی ذات کے منافی ہیں۔
ان عقلی دلائل کے علاوہ یہ لوگ قرآنی آیت ”لَا تَدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارُ“
سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

ان کے عقلی دلائل کا جواب:

حقیقت یہ ہے کہ علامہ سعد الدین نقض ازانی مصنف شرح عقائد نے ایک جملہ ہی میں ان حضرات کے پانچوں عقلی دلائل کا ایسا مسکت جواب دیدیا ہے کہ اب مزید تردید کی ضرورت نہیں رہتی وہ فرماتے ہیں ہے "قیاس الغائب علی الشاهد فاسد" پھر عرضی اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے کہتے ہیں "فیرو لانی مکان ولا علی جهة من مقابلة واتصال شعاع او شہوت مسافة بین المرائی و بین الله تعالیٰ" اور جہاں تک "لا تدركه الابصار سے استدلال کا تعلق ہے تو اس کے متعلق شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عدم رؤیت کی نہیں بلکہ اثبات رؤیت کی دلیل ہے اور معنی یہ ہیں کہ جب بندے رب جل جلالہ کا نظارہ و دیدار کریں گے تو اس کا ادراک و احاطہ نہ کر سکیں گے جب کہ خداوند قدوس کے وہ احاطہ میں ہوں گے۔

اہل سنت والجماعت اور تمام امت کا یہ اجماعی فیصلہ ہے کہ روایت باری دنیا میں ممکن اور آخرت میں یقینی ہے۔

چھوڑا امت کے دلائل درج ذیل ہیں :-

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تُنكَرُ

مگر روایت باری اس دنیا میں ممکن نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام روایت کی کیوں خواہش کرتے بغیر یہ امر بھی مسلم ہے کہ یہی ناممکنات کا مطالبہ نہیں کرتا تو اگر روایت کو ناممکن مانا جائے تو اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعویذ بالشر جہل للذم آئے گا اور انبیاء جہل وغیرہ سے

شرح عقائد و اقسام الالهيات في سورة الاعراف

پاک و معصوم ہوا کرتے ہیں۔

٢- "وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة".

یہ آیت اہل جنت کیلئے دیدار باری کو صراحتاً ثابت کر رہی ہے۔

٣- "لاتذكره الابصار وهو يدرك الابصار"

یہ آیت بھی اثباتِ رویت کی دلیل ہے تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔

۴- انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون^۳

یہ آیت کافرین کیلئے رویت باری کا انکار کر رہی ہے مفہوم مخالف سے صاف ظاہر ہے کہ اس

نعمت سے صرف مومنین ہی بہرہ ور ہوں گے اسی آیت کی بنیاد پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں اگر قیامت میں مومنین کو رؤیت نہ ہوئی تو بذریعہ حجاب کفار کی توہین و تذلیل نہ ہوگی۔

۵۔ "قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرُونَ

هذا القمر لاتضامون في رؤيته

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق روایت باری کو تقریباً بیس کبار صحابہؓ نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور اس طرح یہ روایتیں متواتر ہیں۔

٦- "عن صهيب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا دخل اهل الجنة الجنة يقول

اللَّهُ تَعَالَى تَرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ فَيَقُولُونَ الْم تَبِيضُ وَجُوهِنَا الْم تَدْخُلُنَا الْجَنَّةَ

وتنجي من النار قال فيدفع الحجاب فينظرون الى وجه الله فما اعطوا سيك

احب اليهم من النظر الى ربهم ثم تلا للذين احسنوا الحسنى وزيادة

سؤال ۴۴۰ عن أبي رزين قال قلت يا رسول الله أين كان ريسا قبل أن يحسن

خَلَقَهُ قَالَ كَانَ فِي سَمَاءٍ مَا تَحْتَهُ هَوَاءٌ وَمَا فَوْقَهُ هَوَاءٌ وَمَاءٌ ثُمَّ حَبَسَهُ عَلَى الْمَاءِ

(الف) اعراب لگا کر اس طرح ترجمہ کیجئے کہ عموماً بالندادوری یا بضمیر درودوں کو اس کے ساتھ لیا جائے۔

(ب) ماتحتہ و مافوقہ میں شیر و مینہ اور گرمہ ماء کا

۱۔ سورہ قیامہ ۲۔ سورہ انفصام ۳۔ سورہ مطففین ۴۔ بخاری و مسلم ۵۔ مسلم اول حدیث ۶۔ مسلم

رؤیت ماری کی تفصیل کیلئے دیکھیے علامہ ابن قیم کی کتاب ”حادی الارواح الی بلاد الاخرہ“ نیز اردو میں سیر

حاصل بحث کیلئے دیکھئے حضرت مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کی عجیب و غریب کتاب "تقریر دلیلیہ"۔

بیان کیجئے جو قواعد شرعیہ اور عقائد اہل حق کے مطابق ہوں۔
(ج) کلمہ "نی" سے ظرفیت و مکان ثابت ہوتا ہے آپ کلمہ "نی" کے معنی لکھیے۔

(د) حدیث باب کی ترجمہ الباب سے کیا مطابقت ہے؟
جواب سوال ۱۳۹: ب (الف) اعراب کیلئے ۱۳۵ دیکھیے۔

حضرت ابو زین بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (یہ بتائیے کہ) مخلوق کی تخلیق سے پہلے ہمارا پروردگار کہاں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ (علاء باللہ) رقیق بادل میں تھا اور (عمر بالقصر) اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اس کے نیچے اور اوپر ہوا تھی اور پانی تھا پھر (سب سے پہلے) اللہ تعالیٰ نے پانی پر عرش کو پیدا کیا۔

(ب) علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قاضی ناصر الدین ابن المنیر نے کہا "ماتحتہ وما فوقہ" کی ضما کر کا مرجع صحاب (عمار) ہے اور عمار کا معطوف علیہ ہوا ہے۔

مکان رب کے متعلق سوال کرنا فاسد ہے اور قطعاً درست نہیں لہذا یہ ممکن نہیں کہ ابو زین جیسے حلیل القدر صحابی اس قسم کے سوال کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب بھی دیکھا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا ابن اللہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس ذات نے ابن کو اینیت بخشی وہ ابن کی اینیت سے ورا و الورا ہے اور اس کے متعلق ایسا سوال درست نہیں پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اینیت مخلوق ہے اور جو ذات اس کی خالق ہے وہ اس کی تخلیق سے پہلے بھی موجود تھی پھر اب اینیت کو اس ذات کا مکان بنانا کیوں کر درست ہوگا اسلئے حقیقت یہ ہے کہ حدیث باب میں مکان کے متعلق سوال نہیں بلکہ باری تعالیٰ کی شان کی وضاحت مطلوب ہے کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے وہ کس شان میں تھا۔ لفظ ابن کے اسی اشکال کو رفع کرتے ہوئے حضرت خضر المہدیین مولانا ادیب صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

لفظ ابن کے ذریعہ کبھی تو مکان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اور کبھی محض شان و کیفیت کی وضاحت مطلوب ہوتی ہے۔ حدیث باب میں ابن کی مراد یہ ہے کہ عالم کی تکوین اور اس کی ایجاد سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کیا شان اور اس کی کیا کیفیت تھی تو جواب دیا گیا کان فی عساء یعنی فی شان خفی لا یدرک

بالابصار ولا بالبصائر " کہ وہ ایسی شان خفی میں تھا کہ بصارت و بصیرت اس کے تصور سے بھی عاجز ہیں۔ باری تعالیٰ پر عباد کا اطلاق کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ خداوند قدوس کی وہ شان استار و احتجاب اور اخفاء کے اس مقام پر ہے جہاں عقل و فہم کا گذر تک نہیں اور اس کے بارے میں غور و فکر کرنا اور عقلی پرواز کرنا ایسا ہی ہے (بقول ابن خلدون) جیسے ترازو سے پہاڑ کو تولنے کی کوشش کی جائے کیونکہ عمار ایسا معاملہ ہے کہ "لا یدرکہ عقول بنی آدم و یبلغ کنہہ الوصف والفظن" اور اسی لئے امام ابو عبیدہ نے کہا کہ "لا ندری کیف کان ذلک الحماء" کوئی عالم نہیں جانتا کہ یہ عمار کیسا تھا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی شان کی وضاحت کرتے ہوئے احمد بن منیع کے طریق سے یزید بن ہارون کا یہ قول نقل کرتے ہیں "الحماء معناء لیس معہ شیء یعنی ان الحماء کنایۃ عن انہ لم یکن معہ" امام قاضی بھی یہی فرماتے ہیں کہ عمار سے ایسی کیفیت شان مراد ہے جو خیال میں آسکتی ہے اور نہ عقل و فہم ہی اس کا ادراک کر سکتی ہے اور یہ عدم مکان کی ایسی تعبیر ہے جس کی کیفیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اس لئے صحیح یہی ہے کہ حدیث باب میں مکان مراد نہیں بلکہ باری تعالیٰ کی شان کے متعلق سوال کیا گیا ہے لیکن اگر بالفرض این سے مکان مراد لے لیا جائے تو اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ طبری فرماتے ہیں کہ یہ جواب علی اسلوب الحکیم ہے کہ سائل نے مکان کا سوال کیا اور اس کو لامکان ہونے کا جواب دیا گیا۔

(ج) قاضی ناصر الدین بن المنیر فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں کلمہ "فی" "علی" کے معنی میں وارد ہوا ہے اور "علی" استیلاء کے معنی میں ہے تو مطلب یہ ہوا کہ خداوند قدوس اس صحابہ پر مستولی تھا جس کے اس نے اپنی تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔

(د) اس روایت سے باری تعالیٰ کیلئے صفت تخلیق ثابت ہوتی ہے جہیہ کیوں کہ دیگر تمام صفات

لہ عمار کی یہ ساری تفصیل روح المعانی جلد سوم ص ۱۵۱ تا ۱۵۷ اور مولانا ادریس کاندھلوی کی تحفۃ القاری مشکاۃ بخاری جلد ۲ ص ۱۶-۱۵ سے اخذ ہے۔

کے ساتھ ساتھ صفت تخلیق کے منکر اور تخریب بالکمال ہیں اسلئے اس حدیث ان کی تردید ہوگی تو
”ثم خلق عرشه“ اور ”وكان في عواء“ ہی ترجمہ الباب ہے۔

سوال ۱۳۸ :- عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب ربك على نفسي بيده قبل أن يخلق الخلق رحمتي سبقت غضبي .
عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبض الله الأرض يوم القيامة ويطوي السماء بيمينه ثم يقول أنا الملك أين ملوك الأرض.
(الف) اعراب لگائیے اور معنی خیر ترجمہ کیجیے۔

(ب) فرقہ جہمیہ کا مختصر تعارف کرائیے اور اہل سنت والجماعت اور جہمیہ کے درمیان جن اصولی
مابہ الامتیاز باتوں میں اختلاف ہے ان کو تحریر کریں۔

(ج) مصنف نے یہ دونوں حدیثیں ”باب فيما انكرت الجهمية“ کے تحت ذکر کی ہے آپ
بتائیں کہ ان حدیثوں سے جہمیہ کی تردید کس طرح ہو رہی ہے؟
جواب سوال ۱۳۸ :- (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیثیں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق پیدا کرنے
سے پہلے ہی تمہارے رب نے اپنے ہاتھ سے اپنے بارے میں لکھ کر یہ فیصلہ کر لیا کہ میری رحمت
میرے غضب پر غالب رہے گی۔

حضرت کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو
سمیٹیں گے اور اپنے دائیں ہاتھ سے آسمان کو لپیٹ دیں گے پھر فرمائیں گے آج میں بادشاہ
ہوں (کہہ کر گئے شاہزادے اور) کہاں میں زمین کے (نام نہاد) بادشاہ (جو ہمارا کھاتے
تھے اور ہمارے غیروں کی عبادت کرتے تھے)۔

(ب) جہم بن صفوان فرقہ جہمیہ کا بانی و مبنی ہے یہ گمراہ شخص اصلاً کوئی النسل ہے بنو امیہ کی خلافت
کے دور میں یہ نہر جہون کے کنارے واقع شہر ترمذ سے ظاہر ہوا اور یہ حقیقتاً یہودی تھا۔
صحیح ابن خزیمہ نے ابن قدامہ کے طریق سے ابو معاذ بلخی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جہم نہایت فصیح
و بلیغ تھا لیکن علم سے بے بہرہ جاہل ہونے کے ساتھ اہل علم کی مجلسوں سے بھی وہ قطعاً
نا آشنا تھا اور صرف معرفت قلب کو عین ایمان قرار دیتا تھا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کے بارے میں جہم بن صفوان نے

تشبیہ کی نفی میں اتنی شدت برتی کہ وہ تعطیل و تجمید کی دلدل میں جا گھسا۔
بنو امیہ کے خلافت کے آخری دور تقریباً ایک سو تیس ہجری میں مسلم بن احوذ مازنی نے خراسان
کے مشہور شہر مرو میں جہم بن صفوان کو قتل کر دیا اس طرح امت کو ایک فتنے سے نجات ملی
اسی کی جانب منسوب فرقہ کو فرقہ جہمیہ کہا جاتا ہے لیکن جہمی خود اپنے آپ کو صوفیہ کے اسم
موسوم کرتے ہیں۔

جہمیہ کے مابہ الامتیاز چند اصولی عقائد:

- ۱۔ ایمان صرف معرفت قلب کا نام ہے اگر وہ حاصل ہے تو انکار لسان کے باوجود بندہ کامل الایمان۔
 - ۲۔ ایمان کے بعد اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں اور افعال سیئہ سے بھی ایمان متاثر نہیں ہوتا۔
 - ۳۔ اللہ تعالیٰ کا عظم حادث ہے کسی چیز کے وجود اور اس کی خلقت سے پہلے اللہ کو اس کا علم نہیں ہوتا۔
 - ۴۔ تمام افعال کا اللہ ہی خالق ہے۔
 - ۵۔ بندہ مجبور محض ہے اسے کوئی اختیار نہیں۔
 - ۶۔ کلام اللہ حادث اور مخلوق ہے۔
 - ۷۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز قدیم نہیں۔
 - ۸۔ رویت باری تعالیٰ محال اور قطعاً ناممکن ہے۔
 - ۹۔ انبیاء اور ان کے امتیوں کا ایمان یکساں اور ایک درجہ کا ہے اس میں کوئی تفاوت نہیں۔
 - ۱۰۔ جنت اور جہنم کو ان کے مستحقین کے داخل ہونے کے بعد فنا کر دیا جائے گا قرآن وحدیث میں
خالدین وغیرہ جیسے الفاظ کثرت کے معنی میں وارد ہوئے ہیں۔
 - ۱۱۔ اللہ کو کسی ایسی صفت کیساتھ متصف کرنا جائز نہیں جو بندوں میں پائی جاتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ
جہمیہ نے اللہ کے حمی اور عالم ہونے کا انکار کر دیا کیوں کہ یہ بندوں کے بھی اوصاف ہیں اور
اللہ کو صرف فاعل خالق وقادر قرار دیا کیوں کہ یہ بندوں کے اوصاف نہیں۔
 - ۱۲۔ جہمیہ اللہ کی تمام صفات کا صراحتاً انکار کرتے ہیں۔
 - ۱۳۔ معتزلہ کی طرح یہ بھی ہر اس غیبی خارق عادت ثابت شدہ امر کا انکار کرتے ہیں جو انکی عقلوں کے باہر ہو۔
 - ۱۴۔ باری تعالیٰ کیلئے تخییر بالمکان کے قائل ہیں۔
- یہ جہمیہ کی سیاری تفصیل الفرق بین الفرق بلقاءہ ابو نعیم عبد اللہ کریم شہرستانی کی الملل النحل اور دیگر اہمات الکتاب سے ماخوذ ہے۔

(ج) امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ دونوں حدیثیں ”باب فيما انكرت الجهمية“ کے تحت اس لئے ذکر کی ہیں کہ مقدم الذکر حدیث میں باری تعالیٰ کیلئے صفت کتابت بالید نیز صفت رحمت و غضب ثابت ہوتی ہے جب کہ دوسری حدیث میں صفت قبض اور صفت طی کی صراحت ہے ظاہر ہے کہ جہمیہ تمام صفات کیساتھ کتابت رحمت صفت طی اور قبض کا بھی صراحتاً انکار کرتے ہیں اس لئے امام نے یہ دونوں حدیثیں لاکر صفات کا اثبات اور جہمیہ کی کھلی تردید کر دی تو اول حدیث میں ”کتب بیدہ“ اور ”رحمتی وغضبی“ نیز دوسری حدیث میں قبض و بطوی جیسے الفاظ ہی ترجمہ الباب ہیں۔

اس روایت سے تخیر بالکان کی صراحتاً نفی ہو رہی ہے اسی لئے حضرت امام ابن ماجہ نے باب فی ما انكرت الجهمية کے تحت خصوصاً یہ روایت ذکر کی ہے۔

سوال ۱۴ :- عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأَنْثَى طَبَّخَتْ رَيْحَهَا طَيِّبٌ وَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الثَّمَرَةِ طَبَّخَتْ رَيْحَهَا طَيِّبٌ وَلَمْ يَرِجْ لَهَا وَ مَثَلُ الْمُتَنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رَيْحُهَا طَيِّبٌ وَ طَعْمُهَا مُرٌّ وَ مَثَلُ الْمُتَنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَمْ يَرِجْ لَهَا۔ (الف) اعراب لکائیے ترجمہ کیجیے۔

(ب) قرآن کے اعجازی پہلو پر مختصر روشنی ڈالئے۔

(ج) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کیجئے اور مقصد حدیث پر روشنی ڈالئے۔

جواب سوال ۱۴ :- (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے اسکی مثال ترنج کی سی ہے اسکی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی لذیذ۔ اور جو کومن قرآن شریف نہ پڑھے اسکی مثال کھجور کی سی ہے کہ خوشبو کچھ نہیں مگر مزہ شیریں ہوتا ہے اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اسکی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے کہ خوشبو عمدہ اور مزہ کڑوا۔ اور جو منافق قرآن شریف نہیں پڑھتا اسکی مثال

لہ انجاء الحاجر لانا عبد الغنی بنہ ادری۔

خفا کے پھل کی سی ہے کہ مزا کڑوا اور خوشبو کچھ نہیں ملے۔
(ب) ”چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود بھی قرآن کریم کا مثل لانے کا چیلنج آج تک قائم ہے قرون اولیٰ سے لیکر آج تک فصاحت و بلاغت، لغت و ادب اور اسلوب و نگارش کی دنیا میں کوئی اتنا بڑا سور یا پیدا نہ ہو سکا جو قرآن کا مثل لانے کا تصور اور اس کے مقابلہ کی ہمت ہی کر پاتا۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کے انسانی نے بڑے بڑے شعلہ بیان مقرر و مصنف، ادیب خطیب اور فصاحت و بلاغت کے اماموں نیز منفرد انداز و اسلوب کے بانیوں کو جنم دیا جنہوں نے اپنی فطری ذہانت و ذکاوت، لیاقت و صلاحیت انداز جولانی اور زور زبانی نیز جدت اسلوب، طرز و نگارش اور انفرادیت کی دنیا پر دھاک بٹھادی اور ان کے عزائم و حوصلوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہونے لگا کہ ان کے اچھوتے اور ممتاز اسلوب و قلم کی چنگاریاں قدیم و جدید ادبی ذخیرہ پر برق بن کر گریں گی اور ان کی آن میں اسے جلا کر خاکستر کر دیں گی اور شاید اب دنیا کا کوئی ادبی عجبہ اپنی انفرادیت و چیلنج کو باقی نہ رکھ سکے گا لیکن اسی نشہ میں مدہوش اور اسی غرور میں مخمور ہو کر جب یہی لوگ قرآن کے مقابلہ پر آئے تو اس کے ادبی حمولوں کی تاب نہ لا سکے قرآن کے ادبی معیار اس کے انداز بیان اور اس کی تفسیر کرنے والی قوت سے ایسے مبہوت ہوئے کہ ان کا نگاہیں جھک گئیں زبانیں گنگ ہو گئیں قلم جواب دے گیا ادبیت کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا فصاحت و بلاغت کا نشہ جاتا رہا ان کی صلاحیت و لیاقت اور بلند عزائم نے بالآخر قرآن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

قرآن کا ایک ایک حرف و کلمہ گنیمت کی طرح ایسا جڑا ہوا اور آپس میں ایسا ربط قائم کے ہوئے جو بذات خود ایک اعجاز و چیلنج ہے۔

اس کی عبارت کا تحیر آمیز تسلسل و تزلزل اس کے مضامین کی روانی و روانی اس کے وعظ و نصیحت کی دل سوزی اس کے انداز بیان کی جولانی اور جوش ایمانی اس کے لاثانی نظائر و تشبیہ اس کے لافانی حقائق و معانی اس کا انداز و تبشیر کا دل دہلا دینے والا اسلوب۔ یہ سب اس کی وہ امتیازی اور انفرادی خوبیاں ہیں جنہیں دیکھ کر عمر بن خطاب جیسا مضبوط انسان بھی

لے حدیث کا ترجمہ حضرت شیخ الحدیث بہار پوریؒ کا کیا ہوا ہے دیکھئے فضائل قرآن ص ۱۲

اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا اور نقد دل ہار بیٹھا اور یہ اسی کا تو کرشمہ تھا کہ جب عتبہ اپنے موقف و نقطہ نظر کو فصیح و بلیغ پیرائے میں پیش کر کے کفار مکہ کی وکالت کر چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر چند آیات بے ساختہ جاری ہو گئیں ان آیات کا جاری ہونا تھا کہ کائنات منجور ہونے لگی سمندروں کا جوش تھم گیا دریاؤں کی طغیانی خاموشی میں بدل گئی پہاڑ بھی لرزنے لگے ماحول پر ایک پرسرور کیفیت طاری ہونے کیساتھ ساتھ چرند و پرند شجر و حجر بھی پر بیک وقت رقت طاری ہو گئی اور عتبہ کے خون میں بھی ایک بال سا آگیا وہ اس عجیب و غریب کلام کی تاب نہ لاسکا اور بلک اٹھا۔

”محمدؐ بس بھی کرو ایسے کلمات زبان سے نہ نکالو کہیں

تمہاری قوم پر عذاب نہ آجائے“

اور یہی تو اس کی تاثیر و دلکشی اور رقت و جاذبیت میں ڈوبا ہوا لہجہ تھا جسے سن کر جیشہ کا بارعب اور دبدبہ والا بادشاہ بھرے دربار میں رو پڑا اس کا دل دلی گیا دماغ جھنجھٹا اٹھا بدن تھرا گیا ایمان کی مہک اور جعفرؓ کی لہک سے ایسا مدہوش ہوا کہ آن کی آن میں اس کے دل کی دنیا بدل گئی وہ عیسائیت کے غیر فطری بوجھ کو فرید برداشت نہ کر سکا اور سرعام یہ اعلان کر کے اس نے عیسائیت کی دھجیاں اڑا دیں۔

”خدا کی قسم حضرت عیسیٰؑ سچ کی حیثیت قرآن کی

بتائی ہوئی حقیقت سے تنگہ بھر بھی زیادہ نہ تھی“

قرآن ہی تاریخ انسانی کی وہ واحد کتاب ہے جو زمانہ دراز سے آج تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ چلی آرہی ہے اور چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی اختلاط والتباس کی آندھیاں معاندین و مخالفین کی سرگرمیاں و ریشہ دوانیاں نیز دشمنان اسلام کا محرفانہ ذہن اس کے کسی حرف و کلمے کسی معنی و مفہوم کسی مضمون و ترکیب آیات اور زیر و زبر کو کوئی گزند نہ پہونچا سکا اور وہ اپنے حروف و الفاظ، عبارات و اشارات، اسرار و رموز نیز تجوید و ترتیل کے قواعد اور علوم نبوی و ماخذ تفسیر کے رواں دواں قافلوں کو لیکر علمی دنیا کی امامت کرتا ہوا فصاحت و بلاغت کا مینہ برساتا محرفین کے خوابوں کی دھجیاں اڑاتا ہوا اس پندرہویں صدی تک بے خوف و خطر بڑھا چلا آیا۔ اور آج بھی ڈنکے کی چوٹ یہ دعویٰ کر رہا ہے۔

فاتوا بسورة من مثله
اب ذیل میں ہم چند دلائل سپرد قلم کر رہے ہیں آپ ان دلائل کی مدد سے درج بالا مضمون کو مزید پھیلائیے۔

- ۱۔ قل فاتوا بعشر سور مثله مفتريت وادعوا من استطعتم من دون الله ان كنتم صدقين
- ۲۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن على ان ياتوا بمثل هذا القرآن لا يأتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهير۔
- ۳۔ لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرأيته خاشعاً متصدعاً من خشية الله۔
- ۴۔ افلا يتدبرون القرآن ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافاً كثيراً۔
- ۵۔ يضل به كثيراً ويهدى به كثيراً۔
- ۶۔ عن عمرو بن الخطاب رضي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يرفع بهذا الكتاب اقواماً ويضع به آخرين (مسلم)
- ۷۔ عن عائشة رضي قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لكل نبي شرفاً يتباهون به وان بهاء امتي وشرفها القرآن (رواه الحليه)۔
- ۸۔ عن علي رضي سمعت يقول رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يشبع منه العلماء ولا يخلق عن كثرة الرد ولا ينقضى عجائبه (ترمذی . دارمی)۔

(ج) اترجہ : لیوں کا درخت ۔
ریحانہ : نازبو ایک نہایت خوشبودار پودا ۔
حنظلہ : پھر پھیندو اندرائن کا پھل جو نہایت کڑوا ہوتا ہے ۔
مقصود حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
”مقصود اس حدیث سے غیر محسوس شئی کو محسوس شئی کیساتھ تشبیہ دینا ہے تاکہ ذہن میں فرق کلام پاک کے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں سہولت سے آجاوے ورنہ ظاہر ہے کہ کلام پاک کی حلاوت و بہک سے کیا نسبت ترجیح و کجور کو۔ اگرچہ ان اشیاء کیساتھ تشبیہ میں خاص نکات بھی ہیں

۱۔ درج بالا مضمون راقم سطور کے ایک مستقل مضمون ”قرآن کریم کے چیلنج“ سے ماخوذ ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ماہنامہ دارالعلوم ماہ رجب ۱۴۱۱ھ۔

جو علوم نبویہ سے تعلق رکھتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی وسعت کی طرف مشیر ہیں، مثلاً ترمذی ہی کریم نے یہ منافع ایسے ہیں کہ قرأت قرآن کریم کیساتھ خاص مناسبت رکھتے ہیں مثلاً منہ کا خوشبودار ہونا باطن کا صاف ہونا روحانیت میں قوت پیدا کرنا یہ منافع تلاوت میں ہیں جو پہلے منافع کے ساتھ بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں ایک خاص اثر ترمذی میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس گھر میں ترمذی ہو وہاں جن نہیں جاسکتا۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر کلام پاک کے ساتھ خاص مشابہت ہے۔

سوال ۴۲: عن معاوية بن ابی سفيان يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْخَيْرُ عَادَةٌ وَالشَّرُّ لَجَاجَةٌ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ

(الف) اعراب لگائیے ترجمہ کیجیے۔

(ب) ومن یرد اللہ الخ کا قبل سے ربط بیان کرتے ہوئے حدیث کی تشریح کیجیے۔

(ج) ابن ماجہ نے یہ حدیث باب فضل العلماء والنحو علی طلب العلم کے تحت ذکر فرمائی ہے آپ باب کی حدیث سے مناسبت ظاہر کیجیے۔

جواب سوال ۴۲: (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجیے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ اپنے فرمایا کہ خیر عادت ہے اور شر جھگڑا و فساد (وغیر عادت) ہے اور اللہ تعالیٰ جس کیساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے (اور تفقہ فی الدین سے نوازتا ہے)۔

(ب) من یرد اللہ بہ خیر ایفقہ فی الدین کا ماقبل سے یہ ربط ہے کہ خداوند قدوس جس شخص کیساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ جھگڑا و فساد سے بچا کر نیکو باطن کا توفیق دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فطرت و جبلت پر حکم دینی فراست تفقہ اور نور معرفت سے نوازتے ہیں۔

الخیر عادت

نوع انسانی کے وجود کی ابتداء "قالوا جلی" کے اقرار و وعدہ اطاعت اور معرفت رب کے ذریعہ کرانگی کیونکہ انسان کی فطرت و عادت خیر و نیکی اور رشد و ہدایت ہے اور اس کی جبلت میں ابتداء سے آفرینش ہی سے وہ صلاحیت و لیاقت اور پاکیزگی رکھی گئی کہ جب بھی

کفر و شرک کا دباؤ ذرا ہلکا ہو گا فزکی فطرت و جبلت بھی بول اٹھتی ہے اور برابر اس کے ضمیر و طبیعت کو کچھ کے لگا کر اظہار حق اور ابطال باطل کیلئے ابھارتی رہتی ہے لیکن معاشرہ کا دباؤ خاندانی روایتیں و بندشیں اور اپنے ذاتی مفاد قبول فطرت سے باز رکھتے ہیں اور اس کے پاؤں کی بیڑی بن جاتے ہیں۔

الخیر عادتہ ہی کی تشریح کرتے ہوئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما من مولود الا وقد جلد علی الفطرة فابواه یهودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ کہ ہر انسان فطری طور پر مسلم و مؤمن ہے لیکن اس کا ماحول و رسم و رواج اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں اگر وہ ہر قسم کے ماحول اور تہذیب و تمدن سے دور رہے تو یقیناً اسلام کو قبول کرے گا اور رشد و ہدایت کی جانب بڑھا جلا آئے گا کیوں کہ خیر اس کی عادت و فطرت ہے۔

الشیر لاجاجة.

اشر نوع انسانی کیلئے غیر فطری اور بالکل طبعی چیز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کفر و شرک زینع و ضلال کا جلی طور پر انسانی فطرت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جب انسان گناہ و معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اندرونی طور پر اس کی طبیعت میں ایک قسم کا متغیر اور انقباض و اضطراب پیدا ہوتا ہے جو اسے اس فعل شیع سے روکنے کی کوشش کرتا ہے اس کے برخلاف اعمال صالحہ اور افعال حسنہ میں عجیب قسم کا سکون اور طبیعت کو فرحت و طمانیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہی عین فطرت ہے۔

من یرد اللہ بہ خیراً ینفقہ فی الدین.

انسانی زندگی کے یہ دو ہی پہلو ہیں خیر یا شر۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کیساتھ اچھا سلوک و معاملہ کرنا چاہتا ہے اس کو شر سے متنفر کر کے خیر کی جانب راغب کر دیتا ہے اور تنفقہ سے نوازتا ہے۔

تنفقہ فی الدین اللہ کا عظیم انعام قرآن و حدیث کے فہم کی روح علم و عمل کی طاقت اور شریعت اسلامی کا مزاج شناس ہونے کیساتھ ساتھ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور اس دولت عظمی و نعمت بترقبہ سے صرف انہیں بندوں کو سرفراز کیا جاتا ہے جو اپنے غیر معمولی ایمان و عمل مثالی اخلاقی و خلوص اور فطرت سعادت کی بناء پر بارگاہ ایزدی میں مقبول و

ماؤں سے ہو چکے ہوں اور ملا علی سے انہیں ایمان و یقین کا دوشٹاں ستارہ رشد و ہدایت کا پیکر اور وقت کا امام بنانے کا فیصلہ کیا جا چکا ہو۔

”حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کیلئے جہاں بیرونی روشنی کی شدید ضرورت ہے وہیں اندرونی روشنی (تفقہ، الہام ربانی) بھی اس کی اہم ترین ضروریات میں شامل ہے۔ انسانی عقل اگر بینائی ہے تو وحی الہی روشنی۔ اور دونوں ہی رشد و ہدایت اصلاح و دعوتِ فرائض انسانی زندگی کے لازم ملزوم اجزاء ہیں اور جب عالمِ قرآن و حدیث کے ظاہری علم کیساتھ ساتھ باطنی علم (تفقہ) اور نورِ معرفت سے بہرہ یاب ہوگا تو وہ ماخذِ شریعت اور اسلامی تصوف کے بحرِ خاں میں غواہی کر کے تفقہ کے انمول موتیوں اور قیمتی جواہرِ بریزوں نیز جدید انکشافات سے امتِ مہجرت کی جھولیاں بھر دے گا۔“

قرآن کریم خود بندوں کو تفقہ فی الدین کے حصول پر ابھار رہا ہے فلو نفر من کل فرقة منهم طائفة لیستفقہوا فی الدین اور حدیث میں بھی ایک جگہ تفقہ فی الدین کی اہمیت اس طرح اجاگر کی گئی خیارہم فی الجاہلیۃ خیارہم فی الاسلام اذا فقہوا یہاں افضل ہونے کا معیار و شرط تفقہ فی الدین ہی قرار دیا گیا کیونکہ جیسے جیسے حالات بدلے زمانہ میں تغیر واقع ہوتا ہے فقیہ انہیں تقاضوں اور ضروریات کے پیش نظر اصولِ شریعت کے مسائل کا استنباط کرتے رہتے ہیں جو اسلام کی تبلیغ کا ایک اہم شعبہ ہے اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بندے کو عبادی جو آپ کے اقوال و احادیث کو فقیہ و افقہ تک پہنچا دیتا ہے فرمایا ”نضر اللہ عبداً سمع مقالتي فوعاها ثم اداها الى من لم یسمعها فرب حامل فقه غیر فقیہ ورب حامل فقه الى من هو افقہ منه“ یعنی فقہ کا اتنا اونچا مقام ہے کہ وہ ایک ہی حدیث سے استنباط مسائل اور استخراج احکام کے ان کثرت ہوتی بکھیر دے گا اور اس خدمتِ عظیمہ کیلئے وہی لوگ منتخب کئے جاتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کر چکا ہو اور جن کو شر سے بچا کر خیر کی توفیق بھی دے چکا ہو۔

(ج) حضرت امام ابن ماجہ نے یہ حدیث باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم کے

لے پیرامولانا سرفراز خاں صاحب صفدر دہ ظلمہ کے ایک اقتباس سے مستفاد ہے لے بخاری جلد اول ۴۷۹ مسلم جلد دوم صفحہ ۳۔

تحت ذکر کی ہے ترجمہ الباب سے مناسبت ظاہر کرتے ہوئے علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:-

”وفی ذلک بیان ظاہر لفضل العلماء علی سائر

الناس وفضل التفقه فی الدین علی سائر العلوم“

یعنی جو علماء ہیں اور تفقہ فی الدین سے متصف ہیں الشریقیۃً ان سے راضی ہے اور الشریعہ نے ان کے ساتھ خیر کا معاملہ فرمایا ہے اس لئے یہ لوگ افضل الناس ہیں اور تمام لوگوں کو ان کی تقلید کرتے ہوئے اس علم کو حاصل کرنا چاہیے جو نہ صرف قرب الہی کا ذریعہ ہے بلکہ تمام شرور و فتن سے حفاظت و سلامتی کیساتھ ساتھ الشریعہ کی خیر کی بھی ضمانت لے ہوئے۔

سوال ۴۳۰:- عن انس بن مالک رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

طلب العلم فريضة على كل مسلم وواضع العلم عند غير أهله

كمقلد الخنازير والجوهر واللؤلؤ والأذهب

(الف) اعراب لگائیے ترجمہ کیجیے۔

(ب) حدیث باب میں مطلق علم کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یا اس سے کوئی خاص علم مراد ہے؟ وضاحت کیجیے۔

جواب سوال ۴۳۰:- (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث طالعہ کیجیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور علم کو اس کے غیر اہل کے پاس رکھنے والا یعنی مالک کو تعلیم دینے والا، ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ خنزیروں کے زر و جواہر اور موتیوں کا ہار ڈال رہا ہے (جس طرح جواہر موتی اور موتیوں کے زر و جواہر کی مانند نہیں بلکہ ان قیمتی اشیاء کی توہین و رسوائی ہوتی ہے اسی طرح غبی دنیا دار اور دنیا پرست انسان کے سامنے علم حدیث بیان کرنا اسے تعلیم دینا علم کی توہین اور اس کیساتھ گھٹانا مذاق ہے)۔

(ب) حدیث باب میں وارد ہوئے علم سے مطلق علم نہیں بلکہ ایک خاص علم مراد ہے جس کی تعلیم میں کافی اختلاف ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس پر کلام کرتے ہوئے درج ذیل فرماتے ہیں:-

لہ فتح الباری جلد اول ص ۱۳۴ مطبوعہ مصر۔

- ۱۔ علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ اس سے علم اخلاص مراد ہے اور ان تمام اشیاء کی معرفت ضروری ہے جو اعمال کو باطل کر دیتی ہیں۔
 - ۲۔ علماء کی دوسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس سے وہ علم معرفت مراد ہے جو قلب پر وارد ہونے والے خیالات میں یہ تمیز کر سکے کہ یہ الہام ربانی ہے یا ملہ مشیہ طانی۔
 - ۳۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں حرام و حلال کا علم مراد ہے کیونکہ اکل حلال اختیار کرنا اور حرام سے اجتناب ضروری ہے۔
 - ۴۔ جب کہ کچھ حضرات کا رجحان یہ ہے کہ حدیث باب میں بالغ مشتری اور ناکح کیلئے علم بیع و شراء اور نکاح کے مسائل جاننا مراد ہے۔
 - ۵۔ پانچواں قول یہ ہے کہ ”بنی الاسلام علی خمس“ کے تحت توحید نماز روزہ زکوٰۃ اور حج بیت اللہ مراد ہے جب کہ کچھ لوگ یہاں صرف علم توحید مراد لیتے ہیں۔
 - ۶۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حدیث باب میں علم باطن کی طلب اور اس کی فرضیت مراد ہے اور یہ علم باطن زہاد و صالحین علماء ربانین ہی کی صحبت سے آتا ہے کیونکہ یہی لوگ انبیاء کے وارث ہیں۔ ان اقوال کے برخلاف علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پر اصولی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علوم شرعیہ کی حقیقتاً دو قسمیں ہیں:۔
- (۱) علم اصول (۲) علم فروع۔
- ۱۔ علم اصول یہ ہے کہ توحید و صفات باری کی معرفت اور انبیاء و رسل کی تصدیق تو طلب العلم فیضۃ کے تحت ہر مکلف کو ان امور کا جاننا ضروری ہے۔
 - ۲۔ علم فروع فقہ اور احکام دین کی معرفت کو کہتے ہیں اور یہ دو قسموں پر منقسم ہے:۔
- (۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ۔
- ۱۔ طہارت و نجاست اور نماز روزوں کے مسائل اور روزمرہ کی دینی ضروریات کی معلوم فیض عین ہے اور طلب العلم فیضۃ کی رو سے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔
 - ۲۔ فرض کفایہ اس علم کو کہیں گے جو انسان کو درجہ اجتہاد اور افتاء کے منصب پر فائز کرنے اور کوئی ایک سچو اس علم کو حاصل کرے تو پورے شہر سے فرض ساقط ہو جائے گا ورنہ سب گناہگار ہوں گے۔
- توسلامہ بغوی کے قول کا حاصل یہ نکلا کہ معرفت صانع توحید باری تعالیٰ انبیاء و رسل کی تصدیق

طہارت و نجاست اور صوم و صلاۃ کے مسائل کی معلومات حدیث باب میں مراد ہیں قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ اور حج کے مسائل جاننا بھی فرض عین ہو گا نیز ہر وہ علم حدیث باب کے زمرہ میں آئے گا جس کی مسائل کو استدلال ضرورت ہو۔

درج بالا تمام اقوال میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی زیادہ صحیح اور راجح ہے اور لائل کی روشنی میں یہی قوی ترین مسلک ہے۔

سوال ۴۴۴ :- ”باب من كره أن يؤطأ عقباء“ عن أبي أمامة قال مر النبي صلى الله عليه وسلم في يوم شديد الحر نحو بقيع الغرقدة وكان الناس يمشون خلفه فلما سمع صوت النعال وقف ذلك في نفسه فجلس حتى قدامهم أمامة لئلا يقع في نفسه شيء من الكبر (الف) اعراب لگا کر ترجمہ کرنے کے بعد تشریح کیجئے۔

(ب) ترجمہ الباب سے مطابقت بیان کیجئے۔

(ج) پھر اس روایت سے کسی مسئلہ کا استنباط کیجئے۔

جواب سوال ۴۴۴ :- (الف) اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔

”اپنے پیچھے چلنے کو ناپسند کرنے والے کا بیان“

حضرت ابو امامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) شدید گرمی کے دن بقیع غرقہ (اہل مدینہ کے قبرستان) کے قریب سے گذرے اور لوگ آپ کے پیچھے چل رہے تھے آپ کو یہ بات ناگوار گذری تو آپ (ان کے انتظار میں) بیٹھ گئے (اور اس وقت تک بیٹھے رہے یہاں تک کہ تمام صحابہ آپ کے آگے اور سامنے ہو گئے) (یہ کام آپ نے اسلئے کیا) تاکہ کبر کا ادنیٰ شائبہ بھی قلب میں پیدا نہ ہو۔

(ب) حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ حدیث ”باب من لوع ان يؤطأ عقباء“

لے شرح السنہ جلد اول صفحہ ۲۹ مطبوعہ سعودی عرب، مرقاة المفاتیح لعلى القاری جلد اول صفحہ ۱۱۱ التعلیق اصبح جلد اول صفحہ ۱۱۱۔

کے تحت ذکر کی ہے مطابقت ظاہر ہے کہ آپ نے صحابہ کا اپنے پیچھے چلنا ناپسند کیا نیز دوسری حدیث میں یہ صراحت کہ یہ آپ کا معمول تھا کہ صحابہ آپ کے آگے آگے چلتے اور آپ کی پشت کو فرشتوں کے چلنے کیلئے چھوڑ دیتے اور ابن عمرؓ کی تصریح کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کبھی دو آدمیوں کو چلتے ہوئے نہ دیکھا گیا تو حدیث باب میں وارد لفظ وقر ذکر ذلک فی نفسہ ہی ترجمہ الباب ہے۔

(ج) روایت بالا سے یہ سلبہ مستنبط ہوا کہ اگر پیچھے چلنے کی وجہ سے کسی کو غرور و تکبر میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے اس عمل سے پرہیز کرنا چاہیئے اور اپنے قبوعین و معتقدین کو پیچھے چلنے سے صراحتاً روک دینا چاہیئے۔

سوال ۴۵:۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُمَارِيَ بِهِ الشُّفَهَاءَ أَوْ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُصَرِّفَ وَجْهَهُ النَّاسَ لِمَلِكِهِ فَهُوَ فِي النَّارِ۔ (الف) اعراب و ترجمہ کے بعد حدیث کی تشریح کیجئے۔

(ب) ترجمہ الباب "الانتفاع بالعلم والعمل به" سے حدیث کا کیا تعلق ہے؟

(ج) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق کیجئے۔

جواب سوال ۴۵:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔ حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جہلا سے جھگڑنے علماء پر رعب طے کرنے اور لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کیلئے علم حاصل کیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

تشریح:

یعنی علم جیسی عظیم شئی کو اس نے علمی مایہ نفعی کا مصداق بنانے کے بجائے دنیاوی منفعت حقیر مفاد اور ذاتی اغراض کیلئے حاصل کیا اور اس کو اپنی عزت و شہرت رعب و دبدبہ اور شان و شوکت کا ذریعہ بنایا تو ایسے مفاد پرست دنیا دار اور خود غرض انسان کیلئے جہنم ہی مناسب ٹھکانہ ہے کیوں کہ اس نے نہ صرف علم سے بذات خود کوئی اخروی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ ایک خالص دینی اخروی اور عظیم علم کو دنیاوی مفاد کیلئے استعمال کر کے جہاں علم کی توہین کی وہیں اس گھناؤنے فعل سے شرور و فتن کے بیج بودیئے اور اللہ کی رضا و

کو پس پشت ڈالتے ہوئے محض مفاد ہی کو پیش نظر رکھا تو ایسے ہی عالموں کو قیامت میں گھسیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا۔

”اذھبوا الی الذین کنتم تراءون فی الدنیا فانظروا
هل تجدون عندهم جزاء او خیرا“

اس کا ٹھکانہ نہ صرف جہنم ہوگا بلکہ وہ جہنم کی وادی جب الحزن میں ڈالا جائے گا جس سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”اللھم انی اعد ذلک من علم لا ینفع“ کہہ کر اسی جانب توجہ دلائی ہے۔ اور علماء امت کی خیر خواہی کیلئے اس طرح نصیحت فرمائی:۔

”لا تعلموا العلم لتباهوا به العلماء اولئنا رواہ
السفهاء“ اور ”لتصرفوا وجہ الناس الیکم فمن
فعل ذلک فهو فی النار“

(ب) حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ حدیث ”الانتفاع بالعلم والعمل بہ“ کے تحت ذکر کی ہے وجہ مطابقت ظاہر ہے کہ اس شخص نے محض اپنے مفاد اور ذاتی اغراض کیلئے علم حاصل کیا اس سے نہ اخروی فائدہ اٹھایا اور نہ ہی اس پر عمل کیا تو اس کے نتیجہ میں ایسے عالم کا انجام نہایت خطرناک ہو سکتا ہے لہذا اہل اسلام کو ذاتی اغراض سے قطع محض عمل اور اخروی فلاح کیلئے علم حاصل کرنا چاہیے۔

(ج) ماری بیماری مبارات: جھگڑنا، بحث و مباحثہ کرنا۔
باہی بباہی مباہاتہ: باہم فخر کرنا۔
صترف یصترف تصریفنا: پھیرنا، مبدول کرنا۔

سوال ۴۶:۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَلَمْ يَكُنْهُ أَلْجَمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِلِجَامٍ مِنَ النَّارِ۔
(الف) اعراب لگا کر معنی ترجمہ کیجئے۔

(ب) نیز یہ بتائیے کہ ہر قسم کے علم چھپانے پر یہ تہدید ہے یا خاص قسم کے کتمان پر جو پہلو اختیار کریں اس کو مذکور فی الباب حدیث و قرآن سے مدلل کریں۔

جواب سوال ۴۶۱۔ (الف) اعراب کیلئے ص ۱۶۱۔ دیکھیے۔

حضرت انس بن مالک رضی فرماتے ہیں کہ میں نے (خود) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ کسی (عالم) سے اگر کوئی علمی امر (کی بابت دریافت) کیا جائے اور وہ (عالم جاننے کے باوجود) اس کو چھپائے تو کل قیامت میں اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

(ب) امام سید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وعید ضروری اور روزمرہ کے علم کے متعلق ہے رہا وہ علم جس کی سائل و عوام کو کوئی ضرورت نہیں تو اس کے متعلق یہ وعید نہیں۔ علامہ خطابی اور امام سید اس ضروری علم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اسلام کے ادا و منہیات اور اس کی تاریخ و مزاج کے بارے میں استفسار کرے یا ادائے صلوة و دیگر فرائض و ارکان کی بابت دریافت کرے یا پھر کسی شے کے بارے میں حلت و حرمت کا فتویٰ چاہے اور مفتی و عالم کوئی جواب نہ دے تو وہ اس وعید شدید کا مصداق ہوگا۔

امام ابن ماجہ علیہ شرح حدیث کے انہیں بیان کردہ معنی کی وضاحت کیلئے ایک اور حدیث باب میں لائے ہیں اور اس کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:-

”عن ابی سعید الخدری رضی قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم من کتم علماً ما ینفع اللہ

به فی امر الناس امر الدین الجمہ اللہ یم القیمۃ بلجام من النار“

یہ حدیث صاف وضاحت کر رہی ہے کہ حدیث باب میں وارد وعید صرف اس علم کے متعلق ہے جو عوام الناس کی روزمرہ کی دینی ضروریات میں سے ہو نیز ینفع اللہ به کا قرینہ صاف دلالت کر رہا ہے کہ وہ علم عوام کیلئے مفید اور ضروری ہو اور ایسے ہی علم کے کتمان پر قرآن کریم نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا:-

”ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون به ثمنًا

قلیلًا اولئک ما یمأکلون فی بطونہم الا السخار“

دوسری جگہ اس علم کی وضاحت قرآن میں اس طرح کی گئی ہے:-

”ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینت والہدی من بعد

ما بیننا للناس فی الکتاب اولئک یلعنہم اللہ ویلعنہم اللاعنون“

آیت بالا میں بھی اسی علم کی صراحت ہے جو عوام الناس کیلئے کتاب میں بیان کر دیا گیا ہو نیز

بینات اور ہدی سے بھی اسی قسم کے علم کی تعیین ہوتی ہے جو عوام کیلئے ارکان دین کی تشریح کر۔

انہیں آیات و حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

”علم کو چھپانے کی یہ سخت وعید انہیں علوم و مسائل کے متعلق

ہے جو قرآن میں واضح بیان کئے گئے ہوں اور جن کے ظاہر

کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ وہ باریک اور دقیق

مسائل جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں

بتلا ہو جائیں گے تو ایسے مسائل و احکام کا عوام کے سامنے بیان

نہ کرنا بہتر ہے اور وہ کتمان علم کے حکم میں نہیں ہے آیت مذکورہ

من البینات والہدی سے اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے

ایسے ہی مسائل کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی عنہ فرمایا

تم اگر عوام کو ایسی حدیثیں سناؤ گے جن کو وہ پوری طرح نہ سمجھ

سکیں تو تم ان کو فتنہ میں مبتلا کر دو گے۔“

ہماری درج بالا تشریح سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حدیث باب میں وعید مطلق علم کے

متعلق نہیں بلکہ مقید علم کے متعلق ہے اور یہ وعید تھوڑی حد تک حالات و تقاضے پر بھی

منحصر ہے۔

قد تم الفراغ من تألیف هذا الكتاب المسمى بمصباح

الزجاجة شرح اردو مشکلات ابن ماجة فی ۲۲ من جمادی الاولی

سنة ۱۴۱۰ هج بعد صلاة الجمعة، فالحمد لله على ذلك.

العبد الاثم اسعد قاسم

۱۔ معارف القرآن جلد اول ص ۲۳۵

۲۔ کتمان علم کیلئے دیکھئے مرقاة اول ص ۲۳۵، تعلیق اول ص ۱۵۲، شرح اسنہ اول ص ۳۱

فہرست مآخذ

ذیل میں وہ کتابیں نقل کیجاتی ہیں جن سے اس حل کی تالیف میں مدد لی گئی ہے

نام مصنف	نام کتاب
حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ	۱ معارف القرآن
حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۲ بیان القرآن
علامہ آلوسی	۳ روح المعانی
قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۴ تفسیر منطہری
مولانا امین احسن اصلاحی	۵ تدبر قرآن
حضرت امام بخاری	۶ بخاری شریف
مسلم	۷ مسلم شریف
نسائی	۸ نسائی شریف
ابوداؤد	۹ ابوداؤد شریف
ترمذی	۱۰ ترمذی شریف
محمد بن یزید قرظی	۱۱ ابن ماجہ شریف
مالک بن انس	۱۲ موطار امام مالک
بغوی محی السنہ	۱۳ شرح السنہ
علامہ خطیب تبریزی	۱۴ مشکوٰۃ شریف
سیوطی و محلی رحمہما اللہ	۱۵ جلالین شریف
علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ	۱۶ الاتقان فی علوم القرآن

شرح اردو ابن ماجہ	۱۶۵	مصباح الزجاجة
نام مصنف	نام کتاب	
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ	فتح الباری	۱۷
علامہ بدر الدین عینی	عمدة القاری	۱۸
علامہ قسطلانی	ارشاد الساری	۱۹
علامہ کشمیری	فیض الباری	۲۰
مولانا ادیس صاحب کاندھلوی	تحفة القاری مشکلات بخاری	۲۱
حضرت مولانا عبدالجبار اعظمی	امداد الباری	۲۲
حضرت مولانا احمد رضا بجنوری مدظلہ	انوار الباری	۲۳
حضرت مولانا زکریا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ	تقریر بخاری	۲۴
حضرت مولانا فخر الدین صاحب	ایضاح البخاری	۲۵
حضرت علامہ شبیر عثمانی	درس بخاری	۲۶
امام نووی	شرح مسلم	۲۷
علامہ شبیر عثمانی	فتح الملہم	۲۸
مولانا نور محمد پاکستانی مدظلہ	جہاد افغانستان	۲۹
امام احمد بن حنبل	مسند امام احمد	۳۰
علامہ سیوطی	حاشیہ نسائی	۳۱
علامہ سندھی	" "	۳۲
مولانا فخر الحسن کنگوہی	حاشیہ ابوداؤد	۳۳
مولانا خلیل احمد سہارنپوری	بذل الجہود	۳۴
حضرت شیخ الہند	انوار الجہود	۳۵
علامہ سیوطی	قوت المقتدی حاشیہ ترمذی	۳۶
حضرت مولانا عبدالرحمن مبارکپوری	تحفة الاحوذی شرح ترمذی	۳۷
محمد تقی عثمانی پاکستانی مدظلہ	درس ترمذی	۳۸
حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ	عرف السنذی حاشیہ ترمذی	۳۹

نام مصنف	نام کتاب	صفحہ
حضرت مولانا عبدالغنی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	انجاء الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ	۴۰
علامہ سیوطی	مصباح الزجاجة	۴۱
مولانا صاحب بستوی مدظلہ	کشف الحاجہ شرح	۴۲
حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی پاکستانی مدظلہ	تجسس الیہ الحاجہ بن یطالہ ابن ماجہ	۴۳
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ	مرقاة المفاتیح	۴۴
مولانا ادیس کاندھلوی	التعلیق الصبیح	۴۵
محدث اعظم حضرت گنگوہی	الکوکب الدرر	۴۶
" " " "	لامع الدراری	۴۷
نواب قطب الدین دہلوی	مظاہر حق قدیم	۴۸
مولانا جاوید صاحب	مظاہر حق جدید	۴۹
شیخ ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ	تاریخ المذاهب الاسلامیہ	۵۰
عبدالکریم شہرستانی	الملل والنحل	۵۱
مولانا ابوالحسن بنکھہ دہلی مدظلہ	تنظیم الاشتات	۵۲
حضرت مولانا سعید صاحب پالنپوری مدظلہ	فیض المنعم	۵۳
حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ	ترجمان السنہ	۵۴
محدث جلیل حضرت مولانا منظور نعمانی مدظلہ تلمیذ علامہ کشمیری	معارف الحدیث	۵۵
مولانا مناظر حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	تدوین حدیث	۵۶
قاضی بیضاوی	تفسیر بیضاوی	۵۷
انادات مولانا سید فخر الحسن صاحب	تقریر حاوی	۵۸
شیخ ابوالحسن قدوری	قدوری	۵۹
عبداللہ صدر الشریعہ الاصفہر	شرح وقایہ	۶۰
ابوالحسن برہان الدین	ہدایہ	۶۱
علامہ تقی تارانی	التوضیح مع التلویح	۶۲

نام مصنف	نام کتاب	صفحہ
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ	دین و شریعت	۶۳
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ	نخبۃ الفکر	۶۴
حضرت مولانا مفتی سعید صاحب بالہ پوری مدظلہ	تحفۃ الدرر	۶۵
اسحاق بن ابراہیم شاشی سمرقندی	اصول الشاشی	۶۶
مولانا مہربان علی صاحب	امداد الاصول	۶۷
حسام الدین محمد بن محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ	حسامی	۶۸
افادات مولانا محمد اللہ صاحب	مصباح الحسامی	۶۹
باہتمام مختار علی	مصباح الخواشی	۷۰
ڈاکٹر مظہر بقاء	اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ	۷۱
مدیر غور رشید عالم صاحب	ماہنامہ چراغ راہ "کراچی کا اسلامی قانون نمبر"	۷۲
علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ	کتاب شفاء العلیل	۷۳
قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی مدظلہ	سیرت طیبہ	۷۴
مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ	سیرت مصطفیٰ	۷۵
مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی	تاریخ اسلام	۷۶
علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ	خطبات مدراس	۷۷
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ	تہذیب التہذیب	۷۸
شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	تحفۃ اشاعہ شریعہ	۷۹
محمد بن عثمان ذہبی رحمۃ اللہ علیہ	میزان الاعتدال	۸۰
نقی الدین بن صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ	مقدمہ ابن صلاح	۸۱
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	حجۃ اللہ الباقیۃ	۸۲
عماد الدین ابن کثیر دمشقی	البدایہ والنہایہ	۸۳
مولانا مظہر صاحب مدظلہ	صحابہ کرام اور موردی	۸۴
مولانا عاشق الہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ	مرنے کے بعد کیا ہوگا	۸۵

نام مصنف	نام کتاب
مفکر اسلام حضرت مولانا علی ایاز ندوی مدظلہ	۸۶ پاجا سراغ زندگی
مولانا منصور علی خاں مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ	۸۷ اسلامی مزاج و احول..... حدیث کا بنیادی کردار
حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر مدظلہ	۸۸ فتح المبین فی مکائد غیر المقلدین
مدیر حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی مدظلہ	۸۹ مقام ابی حنیفہ
علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ	۹۰ ماہنامہ الفرقان خصوصی نمبر
مولانا رحمت اللہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ	۹۱ شرح عقائد
حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۹۲ جامع المناقب
مولانا یوسف صاحب لدھیانوی	۹۳ تبلیغی نصاب
شیخ محمود البشیشی رحمۃ اللہ علیہ	۹۴ اختلاف اثنت اور صراط مستقیم
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	۹۵ الفرق الاسلامیہ
نواب صدیق حسن خاں بھوپالی	۹۶ حجۃ اللہ البالغہ
علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ	۹۷ المحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ
زیر ادارت حضرت مولانا حبیب الرحمن قاسمی مدظلہ	۹۸ الکاشف عن حقائق السنن
حضرت مولانا تقی عثمانی پاکستانی مدظلہ	۹۹ ماہنامہ دارالعلوم
ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۰ ماہنامہ البلاغ
علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۱ شامی
حضرت مولانا احمد علی سہمارنپوری رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۲ فتح القدر
	۱۰۳ ماہنامہ بخاری

ناشر: دار الکتاب دہلی ۲۰۲۷ء

My Telegram Channel : New Madarsa



DARUL KITAB
DEOBAND -247554(U.P.)INDIA

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551